

فقہ الجہاد

کفار پر

عام تباہی مسلط

کرنے کی شرعی حیثیت

شیخ ناصر بن حمد الفہید، فکّ اللہ اسرہ

(ربیع الاول - ۱۴۲۴ھ)

مترجم: حافظ عمار صدیقی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس کتاب کے جملہ حقوق غیر محفوظ ہیں

کتاب	کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت
مصنف	شیخ ناصر بن حمد الفہد، فکرت اللہ اسرہ
مترجم	حافظ عمار صدیقی
ناشر	دار الاشاعت الاسلامیہ، اردو بازار لاہور
قیمت	۲۵ روپے
طبع اول	جمادی الاول ۱۴۲۵ھ
طبع دوم	رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض مترجم

جہاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر عائد کردہ ایک فریضہ ہے۔ اس عظیم عبادت کی قبولیت کی بنیادی شرط یہ ہے کہ یہ فی سبیل اللہ ہو۔ فی سبیل اللہ کے معنی میں دو باتیں شامل ہیں:

۱۔ یہ خالصتاً اللہ کی رضا کے لئے ہو۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع ہو۔

کفر کی قوت و شوکت توڑنے کے لئے وقت کے مؤثر ترین ہتھیار استعمال کرنا اور نتیجہ خیز اندازِ جنگ اختیار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی سنت رہی ہے۔ پھر جوں جوں دنیائت نئے اندازِ جنگ اور متنوع ہتھیاروں سے آشنا ہوئی، فقہائے ملت نے سنتِ مطہرہ ہی کی روشنی میں ان کے استعمال کی شرعی حیثیت کا تعین کیا۔

موجودہ عالمی تحریکِ جہاد میں مجاہدین نے کفار پر حملوں کے لئے جو ذرائع اور انداز اختیار کیے ہیں، اس کی مثالیں گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ، گیارہ مارچ ۲۰۰۳ء کو میڈرڈ اور سات جولائی ۲۰۰۵ء کو لندن کی کارروائیوں کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

ان کارروائیوں اور اندازِ جنگ کو غلط قرار دینے والوں نے ان کی شرعی حیثیت کے تعین کے لئے قرآن و سنت کی نصوص اور فقہاء کی عبارات کی طرف رجوع کرنے کی زحمت ہی نہیں کی۔ بلکہ اس کے برعکس اس تنقید و محاسبے کے لئے انہوں نے بالعموم کفار کے معیارات کو بنیاد بنایا۔ کسی نے

”ملہری“ اور ”سولیمین“ کی بدعتی تقسیم کو پیش نظر رکھا تو کسی نے یہود و نصاریٰ کے بنائے ہوئے بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں ان کے جواز کو پرکھا۔ نتیجتاً عالم اسلام اور عالم کفر، دونوں ہی کے ”دانشوروں“ کا جو موقف سامنے آیا وہ ایک سا تھا۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ حق کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہر دور میں اہل حق کو کھڑا کرتا رہا ہے۔ موجودہ حالات میں بھی اللہ تعالیٰ نے کئی نامور علماء کو اس بات کی توفیق دی کہ وہ حق کو اعلانیہ طور پر حق کہنے کا فریضہ سرانجام دیں۔ یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، انہی اہل علم میں سے ایک نامور عالم دین، شیخ ناصر بن محمد الفہد کی تالیف حکم استخدام أسلحه الدمار الشامل ضد الکفار کا ترجمہ ہے۔

جزیرہ عرب سے تعلق رکھنے والے شیخ ناصر بن فہد نے حق و باطل کی تلمیس کے اس ماحول میں جہاں ایک طرف اپنے زبان و قلم سے حق کا دفاع کیا اور شرعی دلائل سے یہ بات ثابت کی کہ مجاہدین کا موجودہ اندازِ جنگ اور کارروائیاں شرعاً جائز ہیں، وہیں قطعی براہین سے یہ بھی باور کرایا کہ ان حالات میں ان کا ترک کرنا جہاد کو معطل کرنے کے مترادف ہوگا۔

اس کتاب کے مطالعے سے یہ نتیجہ بھی بخوبی اخذ کیا جاسکتا ہے کہ عالمی تحریکِ جہاد کو لے کر چلنے والے قائدین اپنے اقدامات اور لائحہ عمل شریعتِ مطہرہ کی روشنی اور علماء کی رہنمائی ہی میں ترتیب دے رہے ہیں۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ اللہ کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو لوگوں کی نظروں سے چھپاتے ہیں اور احکام شریعت کی من مانی تفریح کرتے ہیں، یہ کتاب ان کے خلاف بھی ایک حجت ہے۔

آج شیخ ناصر بن فہد حجاز کے قید خانوں میں ابتلاء و آزمائش کی بھٹیوں سے گزر رہے ہیں۔ اور کچھ ایسے ہی حال سے وہ سب علماء دوچار ہیں جنہوں نے کفر کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ جہاد کو تازہ کرنے کی بات کی ہے۔ قتل، قید اور جلاوطنی..... یہ سب کچھ حق گوئی کی وہ سزا ہے جو اہل حق نے ہر دور میں جھیلی ہے۔ لیکن ان ہستیوں نے دنیا کی یہ سب سزائیں برداشت

کرنا محض اس لئے گوارا کیا تا کہ کل کو آخرت کی اس ہولناک سزا سے چھٹکارا پاسکیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یوں فرمایا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتُرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا
يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (البقرة: ۱۷۴)

”یقیناً جو لوگ ان احکامات کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں اور انہیں تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں، وہ اپنے پیٹ آگ کے سوا کسی چیز سے نہیں بھر رہے، اور نہ تو اللہ ان سے قیامت کے دن بات کرے گا نہ ہی انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے، ان کا دفاع کرنے والے مجاہدین کی نصرت فرمائے اور ان مجاہدین کا دفاع کرنے والے علماء کو پوری امت کی طرف سے بہترین جزا عطا فرمائے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام اہل ایمان کو بھی بہترین اجر سے نوازے جن کی مدد و نصرت سے مجاہدین، جہاد کا یہ سفر طے کر رہے ہیں۔ اللہ ارضِ حرمین کے قید خانے میں شیخ ناصر بن فہد پر اپنی طرف سے خصوصی سکینٹ نازل فرمائے، ان کو طاغوت کے چنگل سے رہائی عطا فرمائے، اس ابتلاء میں انہیں ثابت قدم رکھے اور امت کے علماء کو حق گوئی میں ان کی مثال بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حافظ عمار صدیقی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرستِ موضوعات

۹ مقدمہ

باب اول، اہم تمہیدی نکات

- ۱۳ پہلا نکتہ: کسی چیز کو حرام قرار دینا انسانوں کا نہیں، محض اللہ کا حق ہے۔
- ۱۶ دوسرا نکتہ: اصل اصول یہی ہے کہ قتل بھلے طریقے سے کیا جائے۔
- ۱۸ تیسرا نکتہ: مقدور علیہ اور غیر مقدور علیہ فعل میں فرق ملحوظ رکھا جائے۔

باب دوم، عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال کا جواز

- ۲۳ پہلی دلیل: مشرکین پر شب خون مارنا جائز ہے، خواہ ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں۔
- ۲۸ دوسری دلیل: دشمن کی سرزمین جلاؤ الٹا جائز ہے۔
- ۳۲ تیسری دلیل: دشمن کے خلاف مخفی اور ایسے ہی دیگر عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کرنا جائز ہے۔

باب سوم، زیر بحث مسئلے کے متعلق اہل علم کی آراء

- ۳۵ باب کی تمہید

علمائے احناف کی آراء

- ۳۷ ۱۔ امام سرخسیؒ بحوالہ شرح السیر الکبیر۔
- ۳۹ ۲۔ امام سرخسیؒ بحوالہ المبسوط۔

۳۹۔ امام کاسانیؒ بحوالہ بدائع الصنائع.....

۴۰۔ عبادیؒ بحوالہ الجوہرۃ النیرۃ.....

علمائے مالکیہ کی آراء

۱۔ امام ابن عربیؒ بحوالہ أحکام القرآن.....

۲۔ ابن فرحونؒ بحوالہ تبصرة الحکام.....

۳۔ مواقؒ بحوالہ التاج والاکیل.....

۴۔ الخرشؒ بحوالہ شرح خلیل.....

علمائے شافعیہ کی آراء

۱۔ امام شافعیؒ بحوالہ کتاب الأم.....

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بحوالہ فتح الباری.....

۳۔ ابن حجر الہیثمیؒ بحوالہ تحفة المحتاج.....

۴۔ امام سیوطیؒ بحوالہ أسنن المطالب.....

علمائے حنابلہ کی آراء

۱۔ امام ابن قدامہؒ بحوالہ المغنی.....

۲۔ البہوتیؒ بحوالہ کشاف القناع.....

۳۔ البہوتیؒ بحوالہ شرح منتهی الارادات.....

۴۔ الرحبانیؒ بحوالہ مطالب أولی النهی.....

علمائے ظاہریہ کی رائے

۱۔ امام ابن حزمؒ بحوالہ المحلی.....

دیگر مجتہدین کی آراء

۱۔ امام صنعانیؒ بحوالہ سبل السلام.....

۲۔ امام شوکانیؒ بحوالہ نیل الأوطار.....

۳۔ امام شوکانیؒ بحوالہ سبل الجوار.....

باب چہارم، شبہات کا رد

- ۵۹ پہلا شبہہ: عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت
- ۶۲ دوسرا شبہہ: زمین میں فساد پھیلانے کی حرمت
- ۶۴ تیسرا شبہہ: عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے مسلمانوں کا جانی نقصان.....

بسم الله الرحمن الرحيم

مقدمہ

الحمد لله، والصلاة والسلام على رسول الله، وبعد:

ایک محترم بھائی نے، جو اپنا قلمی نام ”اللہ کے فرمانبرداروں کا بھائی“ بتاتے ہیں، مجھ سے ویب سائٹ کے ذریعے ”کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت“ کے متعلق سوال کیا تھا۔ سوال کا متن اور اس کا جواب ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے:

سوال: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!“

ذرائع ابلاغ کے ذریعے نشر ہونے والی یہ خراب کسی سے پوشیدہ نہیں کہ القاعدہ امریکہ پر ”عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں“ سے حملے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ”عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار“ دور جدید ہی کی پیداوار ہیں اور عصر حاضر کے علماء نے تاحال ان ہتھیاروں کی شرعی حیثیت کا تعین نہیں کیا۔ لہذا میں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس ضمن میں درج ذیل سوالات کے جوابات پر روشنی ڈالیں:

کیا مجاہدین کے لئے عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کرنا جائز

ہے؟

اگر ایسا کرنا جائز ہے، تو کیا یہ جواز مطلقاً تمام حالات کے لئے ہے یا یہ

ہتھیار کسی ناگزیر ضرورت کے وقت ہی استعمال کیے جاسکتے ہیں؟ مثلاً،

جب دشمن کے شر سے نجات پانے کا کوئی اور ذریعہ نہ ہو یا یہ خوف ہو کہ اگر

مجاہدین نے یہ ہتھیار استعمال نہ کئے تو دشمن ان کے استعمال میں پہل کر دے گا؟

اس کڑے زمین کو آباد کرنا انسانی زندگی کے مقاصد میں سے ایک ہے، کیا ان ہتھیاروں کا استعمال اس مقصد سے متصادم نہیں؟

کیا عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان صادق آتا ہے کہ

...لَيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثُ وَالنَّسْلَ (البقرة: ۲۰۵)

”...وہ زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتیوں اور نسلوں کو تباہ کرنے (کی کوششوں میں لگ گیا)۔“

یہ آیت مبارکہ قتل کی مذمت میں اترنے والی آیات کی طرح صرف انہی افعال پر گرفت کر رہی ہے جو ناحق کئے جائیں؟“

جواب: ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اما بعد:

محترم بھائی!

آپ نے جو مسئلہ دریافت کیا ہے اس کی کماحقہ وضاحت کے لئے تو ایک مکمل کتاب درکار ہے جس میں اہل علم کے اقوال اور دلائل جمع کئے جائیں اور ”دارالحرب“، ”حملہ آور دشمن کے خلاف دفاع کے وسائل“، ”دفاعی جہاد“، ”کھیتیوں اور نسلوں کی تباہی“ اور ایسی ہی دیگر شرعی اصطلاحات کے معنی اور ان سے متعلق علماء کی آراء درج کی جائیں۔ البتہ اس موضوع پر جو مواد بھی جمع کرنا میرے لئے ممکن ہو سکا، ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔

میرے محترم بھائی!

یہاں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ”عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار“ کوئی دقیق

اور متعین اصطلاح نہیں۔ کفار جب یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو وہ اس سے صرف ایٹمی، کیمیائی یا حیاتیاتی ہتھیار ہی مراد لیتے ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی ملک ان ہتھیاروں کے ذریعے ایک ہزار افراد کو ہلاک کر ڈالے تو یہ لوگ اس پر برس پڑتے ہیں کہ اس نے ”بین الاقوامی قانون“ کی رو سے ”ممنوعہ ہتھیار“ استعمال کئے ہیں۔ اس کے برعکس اگر یہی ملک سات (۷) ٹن وزن تک کے حامل انتہائی تباہ کن میزائل استعمال کرے اور نتیجتاً تین چار ہزار افراد مارے جائیں تو ساری دنیا خاموش رہتی ہے، کیونکہ ایسے ہتھیاروں کا استعمال ”بین الاقوامی قانون“ کی رو سے ”جائز“ ہے!

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ چند کھوٹی این ٹی، بارود سے بچنے والی تباہی منخیق کے گولے سے ہونے والے نقصان کے مقابلے میں ”عام تباہی“ ہی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح گزشتہ ادوار میں استعمال ہونے والے تیروں کے مقابلے میں راکٹ لانچر کے گولے کو ”عام تباہی پھیلانے والا ہتھیار“ ہی کہا جائے گا۔ ہم یہ بات بھی بخوبی جانتے ہیں کہ ان ممالک نے ”عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار“ کی اصطلاح محض اس لئے گھڑی ہے تاکہ باقی دنیا والوں کو خوفزدہ کیا جاسکے۔ ابھی کچھ ہی عرصہ پہلے امریکہ نے عراق کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے اسرائیل پر حملہ کیا تو اس کے خلاف ”عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار“ استعمال کئے جائیں گے۔ آخر یہ کیسا قانون ہے جس کے تحت ان ہتھیاروں کا استعمال امریکہ اور دیگر کفار ممالک کے لئے تو مباح ہے لیکن مسلمانوں کے لئے قطعی طور پر حرام؟

اہل علم نے صراحتاً کہا ہے کہ اگر حملہ آور دشمن سے جان اور عزت بچانے کی واحد صورت یہی ہو کہ سب حملہ آوروں کو قتل کر دیا جائے تو ان سب کو قتل کرنا جائز ہوگا، خواہ یہ حملہ آور مسلمان ہی کیوں نہ ہوں۔ اگر حملہ آور مسلمانوں کے بارے میں شریعت کا موقف یہ ہے تو اس کا فر حملہ آور سے کیا سلوک کیا جائے گا جو مسلمانوں کے دین، جان، عزت،

عقل اور ان کی سرزمین، سب کچھ تباہ کرنے کے درپے ہو؟

پس اگر عام تباہی پھیلانے والے ذرائع استعمال کئے بغیر مسلمانوں کو کفار سے بچانا ممکن نہ ہو تو ایسی صورت میں ان ذرائع کا استعمال جائز ہوگا، چاہے اس کے نتیجے میں سارے کافر ہی کیوں نہ مارے جائیں اور چاہے ایسے اقدامات سے ان کی کھیتیاں اور نسلیں تباہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔

میری یہ رائے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، احادیث جہاد اور اہل علم کے اقوال ہی پر مبنی ہے۔ اس ضمن میں تفصیلی دلائل ان شاء اللہ میں اپنی کتاب میں ذکر کروں گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔“

چنانچہ اب فرصت میسر آنے پر، اس مسئلہ کا تفصیلی جواب دینے کے لئے میں نے یہ کتاب ترتیب دی ہے۔ اس کتاب میں کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت پر چار ابواب میں گفتگو کی گئی ہے:

باب اول : اہم تمہیدی نکات

باب دوم : عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال کا جواز

باب سوم : زیر بحث مسئلے میں اہل علم کی آراء

باب چہارم : شبہات اور ان کا رد

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو ہمارے لئے باعث نفع بنائے اور میری اس ادنیٰ سی کوشش کو بخیر اللہ خالص کر لے۔ (آمین)

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

باب اول

اہم تمہیدی نکات

کتاب کے ابتدائیے کے طور پر، میں تین اہم تمہیدی نکات کا ذکر کرنا چاہوں گا:

پہلا نکتہ:

”کسی چیز کو حرام قرار دینا انسانوں کا نہیں، محض اللہ کا حق ہے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُكُمُ الْكُذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُونَ (النحل: ۱۱۲)

”کسی چیز کو اپنی زبان سے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھ لو۔ سمجھ لو کہ اللہ پر بہتان بازی کرنے والے کامیابی سے محروم ہی رہتے ہیں۔“

ابن کثیرؒ اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کا رستہ اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے جو خود ہی چیزوں کو حلال و حرام قرار دے کر اپنی متفقہ آراء سے انہیں کوئی نام دے دیتے تھے، مثلاً: بکیرہ، وصیلہ، سائبہ، حام اور ایسی ہی دیگر (اصطلاحات) جو انہوں نے اپنے دورِ جاہلیت میں خود وضع کی تھیں اور اب وہ ان کے قانون کا حصہ بن چکی تھیں۔“ (تفسیر ابن کثیرؒ: ۲-۵۹۱)

بلاشبہ دورِ جدید کے کفار کی طرف سے گھڑی گئی اصطلاحات بھی اس آیت کی لپیٹ میں آتی

ہیں، مثلاً کفار کا یہ کہنا کہ فلاں چیز:

”بین الاقوامی طور پر ممنوع“ ہے۔

”بین الاقوامی قانون سے متصادم“ ہے۔

”انسانی حقوق کے چارٹر کی روشنی میں ناجائز“ ہے۔

”جنیوا معاہدات کی رو سے غلط“ ہے۔

اسی طرح بے شمار دیگر اصطلاحات، جو آج کل مغربی اثرات کی وجہ سے ہمارے معاشروں میں در آئی ہیں، یہ سب بھی مذکورہ بالا آیت کی لپیٹ میں آتی ہیں۔ عام تنہائی پھیلانے والے ہتھیاروں کو ”بین الاقوامی طور پر ممنوع ہتھیاروں“ کا نام دینا بھی، کفار کی اسی مہم (حرب الاصطلاحات) کا ایک حصہ ہے۔

شریعت الہی کی نگاہ میں یہ تمام اصطلاحات بے وزن اور بے حقیقت ہیں، کیونکہ فرمانروائی اور قانون سازی کا حق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (یوسف: ۲۰)

”فرمانروائی کا حق صرف اللہ ہی کا ہے، اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

أَمْ لَهُمْ شُرَكُوتَا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ (الشوری: ۲۱)

”کیا یہ لوگ (اللہ کے) کچھ ایسے شریک رکھتے ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسے احکام دیں مقرر کر دیئے ہیں جن کا اذن اللہ نے نہیں دیا۔“

سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ (الاعراف: ۵۴)

”یاد رکھو! مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم دینے کا حق بھی اسی کا۔“

یہ نکتہ مسلمانوں پر اتنا واضح ہے کہ اس کے لئے تفصیلی دلائل دینے کی ضرورت نہیں۔ دین اسلام کا یہ اہم اصول پیش نظر رکھتے ہوئے اس نتیجے تک پہنچنا کچھ مشکل نہیں کہ ”بین الاقوامی طور پر ممنوع ہتھیار“ کی اصطلاح مسلمانوں کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ان کے نزدیک تو فیصلے کا مدار اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ شریعت ہی پر ہے۔ چنانچہ آئندہ صفحات میں ہم قرآن و سنت اور اہل علم کے اقوال کی روشنی میں، کفار پر عام تباہی مسلط کرنے کی شرعی حیثیت کے بارے میں بحث کریں گے۔

میں اس موقع پر دو اہم باتوں کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا:

پہلی بات تو یہ کہ کفار جب ”عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں تو وہ اس سے محض ایٹمی، حیاتیاتی اور کیمیائی ہتھیار ہی مراد لیتے ہیں اور ان ہتھیاروں کا معمولی سا استعمال بھی ان کی نگاہ میں ”بین الاقوامی قانون“ کی خلاف ورزی قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ملک روایتی ہتھیاروں کی صورت میں کئی ٹن دھماکہ خیز مواد استعمال کرے اور ہزار ہا لوگوں کو مار ڈالے تو ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی کیونکہ ان ہتھیاروں کا استعمال ”بین الاقوامی قانون کی رو سے جائز“ ہے۔ اس کے برعکس جس اسلحے پر عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی اصطلاح چسپاں کی جاتی ہے، اس کا معمولی سا استعمال بھی جو محض چند سو لوگوں ہی کی ہلاکت کا باعث بنے، ”بین الاقوامی طور پر ممنوع ہتھیاروں“ کا استعمال قرار پاتا ہے۔ یہ بات اس امر کی واضح دلیل ہے کہ کفار کے دعووں کے برعکس، ان اصطلاحات کا حقیقی مقصد انسانیت کا تحفظ نہیں بلکہ خود ان کا اپنا تحفظ ہے، اور یہ لوگ ان اصطلاحات کے ذریعے باقی دنیا کو قانونی پابندیوں میں جکڑ کر خود اسلحے کی ذخیرہ اندوزی جاری رکھنا چاہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو مالک آج ان ہتھیاروں کا پھیلاؤ روکنے کے علمبردار بنے پھرتے ہیں، انہوں نے ہی سب سے پہلے یہ ہتھیار استعمال کئے تھے۔ برطانیہ نے پہلی جنگ عظیم میں

عراق کے خلاف کیمیائی ہتھیار، جب کہ امریکہ نے دوسری جنگِ عظیم میں جاپان کے خلاف ایٹمی ہتھیار استعمال کئے تھے۔

دوسرا نکتہ:

”اصل اصول یہی ہے کہ قتل بھلے طریقے سے کیا جائے۔“

صحیح مسلم میں حضرت شہداء بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدِّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيَبْرَحْ ذُبَيْحَتَهُ .

(مسلم، باب الأمر باحسان الذبح والقتل و تحديد الشفرة)

(اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں بھلائی فرض کی ہے، پس جب تم قتل کرو تو بھلے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بھلے طریقے سے ذبح کرو، اور تم میں سے جو کوئی بھی ذبح کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ اپنی چھری کو تیز کر لے اور اپنے ذبیحہ کو آرام دے)

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ ”بھلے طریقے سے قتل کرو“ ایک عام حکم ہے جس کی پابندی:

جانوروں کی قربانی میں



قصاصات قتل کرنے میں



حدود کے نفاذ میں



اور ایسی ہی دیگر صورتوں میں بھی کی جائے گی۔



اس حدیث کا شمار ان جامع احادیث میں ہوتا ہے جن میں اسلام کے بنیادی اصول سمو

دینے گئے ہیں۔“

(شرح مسلم، ۱۰۸/۱۳)

ابن رجب فرماتے ہیں:

”جن انسانوں اور جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے، انہیں بھلائی سے قتل کرنے سے مراد ہے:

تیز، آسان اور موثر ترین طریقے سے بغیر زیادہ تکلیف دینے ان کی جان لینا، کیونکہ ایسی بے جا تکلیف دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کسی انسان کو قتل کرنے کا سب سے آسان (اور بہتر طریقہ) یہ ہے کہ تلوار کے ایک وار سے اس کی گردن اڑا دی جائے۔ اللہ تعالیٰ کفار کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ (محمد: ۴)
”تو جب کافروں سے تمہاری ٹڈ بھیڑ ہو تو گردنوں پر وار کرو۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

سَأَلَقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ (الأنفال: ۱۲)

”میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں، سو تم گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔“

(جامع العلوم والحکم، ص: ۱۵۳)

صحیح احادیث میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی سر یہ رواۃ کرتے تو صحابہؓ سے فرماتے:

وَلَا تَمْشُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلَيْدًا. (صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسير، باب

تأمیر الامام الأمراء علی البعوث ووصیة ایاهم بآداب الغزو وغیرها)
(مثله نہ کرو اور نہ ہی کسی بچے کو قتل کرو)

اسی طرح سنن ابی داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَعْفُ النَّاسَ قَتْلَهُ أَهْلُ الْإِيمَانِ.

(قتل کے معاملے میں سب لوگوں سے زیادہ معاف کرنے والے اہل ایمان ہوتے ہیں)

نیز صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن یزیدؓ سے روایت ہے کہ

نَهَى الرَّسُولُ ﷺ عَنِ الْمَثَلَةِ.

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مثلہ کرنے سے منع فرمایا)

اسی مضمون کی حامل بہت سی دیگر احادیث بھی موجود ہیں جن سب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قتل کے معاملے میں اصل اصول یہی ہے کہ جسے قتل کرنا جائز ہو، اسے بھلائی کے ساتھ قتل کیا جائے اور بے جا تکلیف نہ دی جائے۔

لیکن یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ بعض حالات اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ انہی استثنائی صورتوں میں سے ایک کا ذکر تیسرے نکتے میں کیا جائے گا۔

تیسرا نکتہ:

”مقدور علیہ اور غیر مقدور علیہ فعل میں فرق ملحوظ رکھا جائے۔“

شریعت اسلامی کی عمارت جن ٹھوس بنیادوں پر کھڑی ہے ان میں سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ مقدور علیہ (یعنی جو کام انسان کے بس میں ہو) اور غیر مقدور علیہ (یعنی جو کام انسان کے بس میں نہ ہو) کے درمیان فرق ملحوظ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ مبارک اسی پر دلالت کرتا ہے:

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن: ۱۶)

”پس جہاں تک تمہارے بس میں ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔“

یہ ایک عمومی اصول ہے جو شریعت کے تمام مختلف ابواب میں ہماری رہنمائی کرتا ہے، خواہ وہ عبادات سے متعلق مسائل ہوں یا معاملات سے متعلق۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

.... فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ. (صحیح مسلم: کتاب الحج،

باب فرض الحج مرة في العمر)

(..... پس جب میں تمہیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس میں سے جتنا تمہارے بس میں ہو بجالاؤ)

امام نوویؒ اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”یہ (اصول) اسلام کی اہم ترین بنیادوں میں سے ایک ہے، اور ان جوامع الکلم کا ایک نمونہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے تھے۔ اس اصول کے تحت ان گنت احکامات شریعت آتے ہیں، مثلاً: نماز اور اس کی تمام اقسام۔ چنانچہ اگر کوئی شخص نماز کے بعض ارکان یا اس کی بعض شرائط ادا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ باقی ماندہ ارکان و شرائط (جو اس کے بس میں ہیں) ادا کرے گا۔ اسی طرح جو شخص اعضائے وضو یا اعضائے غسل دھونے کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ جسم کا اتنا حصہ دھوئے گا جتنا اس کے لئے ممکن ہو۔“ (شرح صحیح مسلم: ۹/ ۱۰۳)

علماء نے مذکورہ بالا اور ایسی ہی دیگر آیات و احادیث سے یہ اصول اخذ کیا ہے کہ:

”لا واجب مع العجز، ولا محرم مع الضرورة.“

”قدرت نہ رکھنے کی صورت میں وجوب ساقط ہو جاتا ہے اور اضطراری حالت میں

حرمت باقی نہیں رہتی۔“

یہاں اس قاعدے کا تذکرہ کرنے سے مقصود، یہ یاد دلانا ہے کہ شریعت کے دیگر احکامات کی طرح جہاد سے متعلق احکامات میں بھی تمام واجبات حسب استطاعت ہی واجب ہیں۔ چنانچہ جب کسی حکم کو پورا کرنا استطاعت سے باہر ہو تو وہ واجب نہیں رہتا۔ لہذا:

۱۔ بھلے طریقے سے قتل کرنے کا حکم اسی صورت میں ہے جب ایسا کرنا ممکن ہو۔ لیکن اگر مجاہدین اس کی قدرت نہ رکھتے ہوں، مثلاً اگر وہ اضطراری حالت میں دشمن کو تباہ کرنے، جلاد مارنے، پانی میں غرق کرنے یا ایسا ہی کوئی اور فعل کرنے پر مجبور ہو جائیں، تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔

۲۔ اسی طرح عورتوں اور بچوں کے قتل سے اجتناب کا حکم بھی اسی صورت میں لاگو ہو گا جب انہیں بالغ مردوں سے علیحدہ پہچاننا ممکن ہو۔ لیکن اگر مجاہدین کے لئے یہ تمیز کرنا ممکن نہ رہے، مثلاً شب خون، چھاپہ مار کارروائی یا ایسی ہی دیگر صورتوں میں (جہاں عورتیں اور بچے مقتولین کے ساتھ گھلے ملے ہوں)، تو انہیں بھی مقتولین کے ساتھ ضمناً مار دینا جائز ہوگا۔

۳۔ اسی طرح عام حالات میں مسلمان کا قتل حرام اور ناجائز ہے۔ لیکن اگر مجاہدین کے لئے کفار کو چھاڑنا یا ان سے جہاد کرنا مسلمان کی جان لئے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر ایسا کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ مثلاً جب کفار مسلمان قیدیوں کو اپنے سامنے بطور ڈھال استعمال کریں (اور انہیں مارے بغیر کفار کے لشکر کو نشانہ بنانا ممکن نہ ہو تو ایسے میں کفار کو مارنے کی نیت سے حملہ کرنا جائز ہے، خواہ نتیجتاً مسلمان بھی مارے جائیں)۔

یہی اصول جہاد کے دیگر مسائل پر بھی منطبق ہوتا ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ آئندہ ابواب میں کی جائے گی۔

باب دوم

عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال کا جواز

تمہید

گزشتہ باب میں یہ بات تفصیلاً بیان کی جا چکی ہے کہ اصل اصول تو یہی ہے کہ قتل بھلے طریقے سے کیا جائے۔ کفار کو قتل کرنے کے معاملے میں بھی یہی اصول لاگو ہوتا ہے۔ لیکن اس اصول کی پابندی اسی وقت تک کی جائے گی جب تک مجاہدین ایسا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

بعض اوقات کفار کے مقابلے، اسلامی سرزمین کے دفاع اور دشمن کا شر روکنے کے لئے کفار پر عام تباہی مسلط کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا۔ چنانچہ اگر ایسی صورت میں مجاہدین کے اہل حل و عقد یہ فیصلہ کریں کہ کفار کے شر سے نجات پانے کی واحد راہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کا استعمال ہے، تو تجربہ کار مجاہدین کے مشورے کی روشنی میں ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا۔

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ اگر مجاہدین ایسے ہتھیار اور ذرائع استعمال کریں تو ان کی زد میں آنے والے تمام کفار مارے جائیں گے، خواہ وہ مقاتلین ہوں یا عورتیں اور بچے عمارتیں تباہ ہوں گی اور زمینیں اور کھیتیاں جل جائیں گی۔ کفار کے ساتھ یہ سلوک کرنے کا جواز بہت سے دلائل سے ثابت ہے۔ یہ دلائل دو قسم کے ہیں۔

پہلی قسم: وہ مخصوص دلائل جو کسی متعین زمانے میں متعین دشمن سے متعلق ہو سکتے

ہیں: مثلاً موجودہ زمانے میں امریکہ۔ امریکہ کے خلاف ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہے اور یہ بات ثابت کرنے کے لئے عمومی جواز کے وہ دلائل دینے کی ضرورت قطعاً نہیں جن کا تذکرہ آگے

دوسری قسم کے تحت آرہا ہے۔

امریکہ جیسے ممالک کے خلاف تو بس اللہ تعالیٰ کا یہی فرمان بطور دلیل کافی ہے:

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ (النحل: ۱۲۶)

”اور اگر تم بدلہ لو، تو اتنا ہی لینا جتنی زیادتی تم پر کی گئی تھی۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ (البقرة: ۱۹۴)

”جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اسی کے مثل زیادتی کرو جو اس نے کی ہے۔“

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوری: ۴۰)

”اور برائی کا بدلہ اسی کے برابر کی برائی ہے۔“

اگر وہ سب مظالم جو امریکہ پچھلی کئی دہائیوں سے مسلمانوں پر توڑ رہا ہے، ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں تو اس نتیجے تک پہنچتے دیر نہیں لگتی کہ امریکہ پر عام تناہی مسلط کرنے کیلئے محض ”معاملہ بالمثل“ (یعنی: زیادتی کے برابر بدلہ لینے) کا اصول ہی بطور دلیل کافی ہے، مزید دلائل کی ضرورت نہیں!

بعض بھائیوں نے امریکی اسلحے سے، بالواسطہ یا بلاواسطہ مارے جانے والے مسلمانوں کے اعداد و شمار جمع کئے ہیں۔ یہ تعداد تقریباً ایک کروڑ تک پہنچتی ہے۔ جب کہ امریکی بموں، میزائلوں اور گولہ بارود سے بھسم ہونے والی مسلمانوں کی اراضی کا ٹھیک سے احاطہ کرنا تو اللہ کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ نے جو تباہی پھیلائی اس کا حال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد وہ بھی ہے جو امریکی حملوں کے نتیجے میں اپنے گھر یا رچھوڑنے پر مجبور ہوئی۔

چنانچہ اگر امریکیوں پر کوئی ایسا بم گرایا جائے جس سے ان کے ایک کروڑ لوگ مارے جائیں اور ان کی اتنی ہی زمینیں جل کر راکھ ہو جائیں جتنی انہوں نے مسلمانوں کی جلائیں، تو ایسا کرنا بالکل جائز ہوگا اور اس کے جواز کے لئے ”معاملہ بالمثل“ کے علاوہ مزید کوئی دلیل درکار نہیں۔ اضافی دلائل کی ضرورت تو تب پڑے گی اگر ہم اس تعداد سے زیادہ امریکی مارنا چاہیں!

دوسری قسم: وہ عمومی دلائل جو ایسے اقدامات کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں جب بھی جہاد فی سبیل اللہ اس کا تقاضا کرے، یعنی وہ آیات و احادیث جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب بھی مجاہدین کے نزدیک ایسے ہتھیاروں کے استعمال میں مصلحت ہو، تو ان کا استعمال جائز ہے۔ اس ضمن میں بہت سے دلائل دینا ممکن ہے، مگر میں اختصار سے کام لیتے ہوئے یہاں تین ہی کا ذکر کروں گا:

پہلی دلیل

مشرکین پر شب خون مارنا جائز ہے، خواہ ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں

جو نصوص ایسے حملے کی اجازت دیتی ہیں ان میں سے ایک حضرت صعب بن جثامہؓ سے صحیحین میں مروی روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر مشرکین پر شب خون مارنے میں ان کی عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جائیں (تو کیا یہ درست ہے)؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

هُمْ مِنْهُمْ (بخاری: کتاب الجہاد والسير، باب اهل الدار یبیتون فیصاب
الولدان والذراری)

(وہ عورتیں بچے) آخر انہی میں سے ہیں)

اسی طرح صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَغَارَ عَلَى بَنِي الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُونَ وَانْعَمَهُمْ تُسْقَى عَلَى الْمَاءِ،
فَقَتَلَ مَقَاتِلَهُمْ وَسَبَى ذُرَارِيَهُمْ (بخاری: کتاب الرهن، باب فی العتق وفضله)

(نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی مصطلق پر چھاپہ مارا جبکہ وہ غفلت کے عالم میں تھے اور
ان کے جانوروں کو پانی پلایا جا رہا تھا۔ ان میں سے جو لوگ لڑنے والے تھے ان کو تو
آپ نے قتل کر دیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا)

ایسی ہی ایک حدیث امام احمدؒ اور ابو داؤدؒ نے بھی حضرت سلمہ بن الاکوعؓ سے روایت کی ہے۔
آپؐ فرماتے ہیں:

أَمَرْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَا بَكْرٍ فَعَزَّوْنَا نَاسًا مِّنَ الْمُشْرِكِينَ فَيَتَنَاهُمْ
نَقْتُلُهُمْ وَكَانَ شِعَارُنَا تِلْكَ اللَّيْلَةُ: أَمْتُ، قَالَ سَلَمَةُ: فَقَتَلْتُ بِيَدِي
تِلْكَ اللَّيْلَةَ سَبْعَةَ أَهْلِ أَبِيَاتٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ (سنن أبی داؤد: کتاب
الجہاد، باب فی البیات)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو ہمارے لشکر کا امیر بنایا، پس ہم نے مشرکین سے
جنگ کی، ان پر شب خون مارا اور ان کو قتل کیا، اس رات ہمارا خفیہ اشارہ 'امت' تھا۔
سلمہؓ فرماتے ہیں کہ اس رات میں نے اپنے ہاتھ سے سات گھروں کے مشرکوں کو قتل کیا) (۱)

(۱) اس حدیث کو ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے صحیح کہا ہے، اس کی سند جید ہے۔ اسے عکرمہ بن عمار نے ایاس بن
سلمہ سے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا ہے۔ یہ حدیث مسلمؒ کی شرائط پر پوری اترتی ہے۔

لیکن ان تمام احادیث کے ساتھ یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ

.....فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَ الصَّبِيَّانِ (صحیح مسلم:

کتاب الجہاد والسیر، باب تحریم قتل النساء والصبيان فی الحرب)

(.....پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمادیا) (۱)

اگر ہم ان ساری احادیث کو جمع کریں تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دراصل جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی نیت سے ان پر حملہ کیا جائے۔ البتہ اگر وہ ضمناً مارے جائیں، مثلاً شب خون یا چھاپہ مار کارروائی کی صورت میں یا جب ان میں اور مقتاتین میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو، تو پھر انہیں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے جہاد معطل نہیں کیا جاسکتا۔

امام بیہقیؒ نے حدیثِ صعب بن جثامہؓ کو اس عنوان کے تحت ذکر کیا ہے:

”شب خون اور چھاپہ مار کارروائی کی صورت میں عورتوں اور بچوں کا بلا قصد قتل، نیز

شب خون کے جواز کے بارے میں وارد ہونے والی احادیث“ (۲)

(السنن الکبریٰ: ۹/۷۸)

آپؐ نے اس باب میں حدیثِ صعبؓ ذکر کرنے کے بعد امام شافعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے:

”ہمارے نزدیک عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد واللہ علم یہ ہے کہ

(۱) اس ممانعت کی علت عورتوں اور بچوں کا قتل میں حصہ نہ لینا ہے، پس اگر عورت یا بچہ کفار کے

ساتھ مل کر لڑے تو اس کے خلاف بھی لڑا جائے گا۔ بیشتر اہل علم کی یہی رائے ہے۔

(۲) اس باب میں امام بیہقیؒ نے مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ بھی متعدد ایسی احادیث ذکر کی ہیں

جن سے دشمن پر شب خون مارنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، مثلاً حدیثِ غزوہ خیبر، ابن ابی الحقیق

اور کعب بن اشرف کے قتل کا قصہ وغیرہ۔ یہ تمام احادیث صحیحین میں موجود ہیں اور امام شافعیؒ نے

بھی ’کتاب الاثم‘ میں ان احادیث سے استدلال کیا ہے۔ دیکھئے: کتاب الاثم: ۴/۳۳۹۔

جب عورتوں اور بچوں کو ان لوگوں سے علیحدہ پہچانا ممکن ہو جنہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو انہیں جان بوجھ کر نشانہ نہ بنایا جائے۔ نیز آپؐ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان 'هُم مِّنْهُمْ'، یعنی وہ (عورتیں اور بچے) بھی انہی میں سے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ اُن عورتوں اور بچوں میں (جو بالغ کا فرم دوں کے ساتھ ضمناً مارے جا رہے ہیں) دوائی صفت پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے:

نہ تو وہ حالتِ ایمان میں ہیں کہ ان کا خون بہانا منع ہو، نہ ہی ان کی بستی دارالایمان ہے کہ جس پر چھاپہ مارنا ممنوع ہو۔“

(امام شافعیؒ کا یہ قول دیکھنے کیلئے رجوع کیجئے: الرسالة، ص ۲۹۹)

امام احمدؒ 'المغنی' میں فرماتے ہیں:

”شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں، کیا روم پر حملہ شب خون کے سوا بھی کچھ تھا؟“ نیز آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ”ہمارے علم میں نہیں کہ کسی نے دشمن پر شب خون مارنے کو ناپسند کیا ہو۔“ (المغنی: ۲۳۰/۹)

امام طحاویؒ عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کے حوالے سے متعدد روایات ذکر کرنے کے بعد شب خون سے متعلق حدیثِ صعبؒ بن جثامہ نقل کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو چھاپہ مار کارروائیوں سے منع نہیں فرمایا، حالانکہ ایسا کرنے میں انؓ کے ہاتھوں وہ عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے تھے جنہیں قصدِ قتل کرنا منع ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جس چیز کی اجازت اس حدیث میں دی گئی ہے وہ اس سے مختلف ہے جس سے گزشتہ احادیث میں منع فرمایا گیا۔ گزشتہ احادیث میں عورتوں اور بچوں کو قصدِ قتل کرنے سے منع فرمایا گیا تھا، جبکہ اس حدیث میں باقی مشرکین کو قصدِ اُتشانہ بنانے کی اجازت دی گئی ہے، خواہ ان کو مارنے میں ایسے لوگ بھی ساتھ ہی مارے جائیں جن کو قصدِ اُتشانہ بنانا جائز نہیں۔ اسی تشریح کے ذریعے

ان احادیث کا ظاہری تضاد دور ہوتا ہے اور سب احادیث اپنی اپنی جگہ صحیح مانی جاسکتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن پر چھاپے مارنے کا حکم دیا اور یہ بات بھی متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی دشمنوں پر چھاپے مارے۔ ہم نے ”جنگ سے پہلے دعوت دینے کے باب“ میں ایسی کئی احادیث ذکر کی ہیں۔ مگر ہمارے علم کے مطابق ان تمام مواقع پر عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آڑے نہیں آئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ممانعت کے باوجود صحابہؓ کو حملہ کرنے کی اجازت دی، کیونکہ ان کی نیت عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی بجائے کچھ اور تھی۔ اس بات سے حدیثِ صعبہ سے متعلق میری رائے کی تائید بھی ہوتی ہے،..... پس ہمارے لئے دشمن کے خلاف قتال کرنا جائز ٹھہرایا گیا ہے، جبکہ ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنا حرام۔ لہذا جنہیں قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے انہیں قصداً نشانہ بنانا حرام ہے اور جنہیں قتل کرنے کی اجازت دی گئی ہے انہیں قصداً نشانہ بنانا حلال ہے، خواہ نتیجتاً ایسے لوگ بھی ساتھ ہی مارے جائیں جنہیں مارنا اصلاً حرام ہے۔ نیز ایسی صورت میں ہمیں کوئی ضمان (یعنی قتل کا مالی معاوضہ) نہیں ادا کرنا ہوگا۔“

(شرح معانی الآثار: ۱۲۲/۳)

چنانچہ زیر بحث مسئلے میں بھی یہی اصول لاگو ہوگا۔ یعنی اگر مجاہدین اس نتیجے پر پہنچیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کئے بغیر کفار کے شر سے نجات پانا ممکن نہیں، تو ان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا، خواہ ایسا کرنے سے سب کفار مارے جائیں (یعنی وہ جنہیں قصداً مارنا جائز ہے اور ضمناً وہ بھی جنہیں مارنا اصلاً حرام ہے)۔

دوسری دلیل

دشمن کی سرزمین کو جلاؤ النا جائز ہے

جن نصوص سے دشمن کی سرزمین کو جلاؤ لانے کا جواز ثابت ہوتا ہے ان میں سے ایک صحیحین میں مذکور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ روایت ہے:

حَرَقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ (صحیح البخاری: کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر)

(رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلا دیئے اور انہیں کاٹ ڈالا) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی واقع کے متعلق نازل ہوا تھا:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ (الحشر: ۵)
 ”تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا یہ سب اللہ کے اذن سے تھا۔“

صحیحین کی بعض روایات میں یہ بات بھی مذکور ہے کہ جلائی جانے والی زمین کا نام ”الْبُيُوتَةُ“ تھا۔ اسی حوالے سے حضرت حسان بن ثابتؓ نے یہ شعر کہا ہے:

فهان على سراة بنى لؤى

حريق بالبويرة مستطير

بنی لوی کے شرفاء کے لئے بہت آسان ہو گیا

کہ وہ بویرہ میں ہر سمت آگ لگا دیں

اسی موضوع سے متعلق ایک اور حدیث امام احمدؒ، ابوداؤدؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ”اُبُنِي“ یا ”يُسْنِي“ نامی سرزمین کی

طرف بھیجا اور فرمایا:

اَنْتَہَا صَبَاحًا ثُمَّ حَرَّقَ (مسند أحمد: مسند الأنصار، حدیث أسامة بن زیدؓ

حب رسول اللہ ﷺ)

(صبح وہاں جاؤ، پھر اسے جلاؤ) (۱)

پہلی حدیث ہمیں وہ بنیادی اصول فراہم کرتی ہے جس سے دشمن کی زمین کو جلا ڈالنے کا جواز ملتا ہے۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کے باب کا عنوان: ”گھروں اور کھجور کے درختوں کو جلانا“ رکھا ہے۔ عموماً ائمہء حدیث نے اس حدیث کو ایسے ہی عنوانات کے تحت ذکر کیا ہے۔ (۲)

امام ترمذیؒ نے یہ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اہل علم کے ایک گروہ نے اس حدیث کو اختیار کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک (کفار کے) درخت کاٹنے اور قلعہ تباہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ جبکہ بعض علماء نے اسے ناپسند کیا ہے، اور یہ امام اوزاعیؒ کی رائے ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یزید کو پھل دار درخت کاٹنے اور آبادیاں تباہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور اس کے بعد سے مسلمانوں نے اسی حکم پر عمل کیا۔“ (۳)

(۱) حدیث صحیح، کما أخرجه الشيخ شعيب الأرناؤط في الموسوعة الحديثية،

الجزء السادس والثلاثون، ولكن السند الذي ذكره المؤلف هنا فيه نظر. (مترجم)

(۲) سنن ابی داؤد میں اس باب کا عنوان ہے: ”دشمن کی سرزمین کو آگ لگانا“، ترمذی شریف کے

باب کا عنوان ہے: ”جلانا اور تباہ و برباد کرنا“، سنن ابن ماجہ کے باب کا عنوان ہے: ”دشمن کی

سرزمین کو آگ لگانا“ اور امام بیہقیؒ نے یہ حدیث اس باب کے تحت ذکر کی ہے: ”درخت کاٹنا اور

عمارقوں کو آگ لگانا۔“

(۳) امام شافعیؒ ”کتاب الاثم“ میں امام اوزاعیؒ کی اس رائے کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں ہمارا گمان یہ ہے کہ چونکہ آپؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شام

اس کے برعکس امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

”دشمن کی سرزمین کے اندر آگ لگانے اور (ان کے) درخت اور پھل کاٹ دینے میں کوئی حرج نہیں۔“

امام احمدؒ فرماتے ہیں:

عین ممکن ہے کہ بعض مواقع پر آگ لگانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، البتہ بلا وجہ آگ لگانا درست نہیں۔

اسحاقؒ فرماتے ہیں:

آگ لگانا سنت ہے، جب ایسا کرنا دشمن کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو۔“

حافظ ابن حجرؒ حدیث ابن عمرؓ کی تشریح میں لکھتے ہیں:

”جمہور علماء دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور تباہی مچانے کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام اوزاعیؒ، لیثؒ اور ابو ثورؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ حضرات حضرت ابو بکرؓ کی ان ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؐ نے اپنی افواج کو ایسا کرنے سے منع فرمایا

فتح ہونے کی خوشخبری سن چکے تھے، لہذا آپؐ کو فتح کا یقین تھا، اسی لئے آپؐ نے آبادیاں تباہ کرنے اور پھل دار درخت کاٹنے سے منع فرمادیا تاکہ یہ سب چیزیں فتح کے بعد (صحیح سالم) مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں۔ آپؐ نے اس بنا پر منع نہیں فرمایا تھا کہ آپؐ ایسا کرنے کو حرام سمجھتے تھے۔ آپؐ تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنی نضیر، خیبر اور طائف کے غزوات میں موجود تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن کی زمینوں کو جلوا لیا تھا۔ لہذا حضرت ابو بکرؓ کے قول سے استدلال کرنے والوں نے اس سے غلط استدلال کیا ہے اور آخری حجت بہر حال اللہ تعالیٰ کا وہ فرمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل کے متعلق نازل کیا گیا۔“

امام طبریؒ، حافظ ابن حجرؒ، ابن عربیؒ اور امام شوکانیؒ وغیرہ نے بھی امام اوزاعیؒ کی اس رائے کے خلاف دلائل دیے ہیں۔

تھا۔ امام طبریؒ اس رائے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (آگ لگانے اور تباہی مچانے کی) ممانعت سے مقصود قصد ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ البتہ اگر لڑائی کے دوران ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) طائف والوں کے خلاف منجیق کے استعمال سے ہوا۔ طبریؒ نے عورتوں اور بچوں کے قتل کے حوالے سے بھی ایسا ہی جواب دیا ہے، اور اہل علم کی اکثریت کی رائے یہی ہے۔ اسی طرح پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کے حوالے سے بھی آپؐ نے ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے۔ کچھ اور علماء نے (امام اوزاعیؒ وغیرہ کی رائے کو رد کرتے ہوئے) کہا ہے کہ: حضرت ابو بکرؓ نے اپنی فوجوں کو اس لئے منع فرمایا تھا کیونکہ آپؐ جان گئے تھے کہ وہ علاقے عنقریب فتح ہو جائیں گے، لہذا آپؐ نے چاہا کہ وہ مال صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، واللہ اعلم۔“ (فتح الباری: ۱۵۵/۶)

امام عینیؒ حدیث ابن عمرؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”حدیث ابن عمرؓ دال علی أن للمسلمین أن یکیدوا عدوهم من المشرکین بکل ما فیہ تضعیف شوکتهم، وتوهین کیدهم، وتسهیل الوصول الی الظفر بهم؛ من قطع ثمارهم، وتغویر میاههم، والتضییق علیهم بالحصار، وممن أجاز ذلک الکوفیون ومالک والشافعی وأحمد واسحاق والثوری وابن القاسم، وقال الکوفیون: یحرق شجرهم، وتحرق بلادهم، وتذبح الأنعام وتعرب اذا لم یمکن اخر اجها“۔

”حدیث ابن عمرؓ اس بات کی دلیل ہے کہ مسلمان اپنے مشرک دشمنوں کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کر سکتے ہیں جس سے ان کی شوکت و قوت کمزور پڑے، ان کی چالیں ناکام ہوں اور ان پر فتح حاصل ہو۔ مثلاً: ان کے پھل کاٹنا، ان کے کنوئیں خشک کرنا اور محاصرے کے ذریعے انہیں تنگی میں مبتلا کرنا۔ احناف، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ،

اسحاق، ثوریٰ اور ابن قاسمؒ نے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔ بلکہ احناف تو یہ بھی کہتے ہیں کہ: ان کے درخت جلائے جائیں گے، ان کے علاقے تباہ کئے جائیں گے، ان کے جانور ذبح کر دیے جائیں گے اور ان کی کونچیں کاٹ ڈالی جائیں گی جبکہ انہیں ساتھ لے جانا ممکن نہ ہو۔“ (عمدة القاری: ۱۴/۲۷۰)

یہ حدیث اس امر کی واضح دلیل ہے کہ اگر جنگ کا تقاضا ہو تو دشمن کے علاقے کو آگ لگانا جائز ہے۔

تیسری دلیل

دشمن کے خلاف منجلیق اور عام تباہی
پھیلانے والے دیگر ذرائع کا استعمال کرنا جائز ہے

امام ابو داؤدؒ نے اپنی مراسیل میں یہ مرسل روایت نقل کی ہے کہ
..... أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَصَبَ الْمَنْجَنِيْقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ (أَيْضًا فِي
الترمذی: کتاب الأدب، باب ماجاء فی الأخذ من اللحية)
(..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کے خلاف منجلیق نصب کی) (۱)

اسی طرح بیہقیؒ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے متعلق روایت کیا ہے کہ آپؐ نے اہل اسکندریہ

(۱) یہی حدیث عقیلیؒ اور بیہقیؒ نے موصولاً روایت کی ہے، لیکن ان روایات کا موصول ہونا محل نظر ہے۔ مجاہد بن تیسیمؒ نے اپنی کتاب میں اس حدیث کو درج ذیل عنوان کے تحت ذکر کیا ہے: ”کفار پر شب خون مارنے اور منجلیق کے گولے برسانے کا جواز، خواہ ان کے بچے بھی ضمناً مارے جائیں۔“

کے خلاف منجیق استعمال کی۔ پہلی ہی نے فتح قیساریہ کے حوالے سے حضرت یزید بن ابی حبیبؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

”وہ لوگ (یعنی مسلمان سپاہ) قیساریہ پر روزانہ ساٹھ منجیقوں سے گولہ باری کرتے تھے۔“

یہ معرکہ حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے میں پیش آیا تھا۔ اس کے بعد بھی مسلمان مختلف جنگوں میں منجیق استعمال کرتے رہے۔ چنانچہ سعید بن منصورؒ، صفوان بن عمروؒ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں جنادہ بن ابی امیہ الازدی، عبد اللہ بن قیس الغفاری اور آپؓ کے دیگر بحری سپہ سالار اپنے دشمنوں، خصوصاً رومیوں پر آگ برسا کر انہیں جلا ڈالتے تھے۔ مسلمان اپنے دشمنوں کے خلاف اور دشمن مسلمانوں کے خلاف یہ حربہ استعمال کیا کرتے تھے۔“

پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ:

”اس کے بعد کے ادوار میں بھی مسلمانوں کا طرز عمل یہی رہا۔“

سعید بن منصورؒ نے علقمہؒ سے بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ کے دور میں ایک جنگ میں شرکت کی اور (دیکھا کہ) مسلمان (دشمنوں پر) منجیق کے گولے برساتے تھے۔

چنانچہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن کے خلاف منجیق اور ایسے ہی دیگر ذرائع کا استعمال جائز ہے۔ اور یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ منجیق سے برسائے جانے والا پتھر عورتوں بچوں اور بالغ مردوں کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کر ڈالتا ہے۔ یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مجاہدین کے اہل حل و عقد کے نزدیک کفار کے علاقوں کو تباہ کرنا اور کفار کو قتل کرنا تقاضائے جہاد ہو، تو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؛ کیونکہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ اور ان کے بعد

کے ادوار میں (مسلمان، کفار کی آبادی پر منجیق کے گولے برساتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ علاقہ فتح ہو جاتا۔ مسلمانوں کو کبھی کفار کی جڑ کٹنے اور ان کے علاقے تباہ ہونے کے خدشے نے ایسا کرنے سے نہ روکا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

www.ownislam.com

باب سوم

زیر بحث مسئلے کے متعلق اہل علم کی آراء

تمہید

اس باب میں مختلف مذاہب فقہ سے تعلق رکھنے والے اہل علم کی آراء ذکر کی گئی ہیں۔ ان آراء کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ تمام فقہی مذاہب سے تعلق رکھنے والے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ اگر دشمن کے علاقے تباہ کرنا اور ان کی عمارتیں منہدم کرنا جہاد کا تقاضا ہو، تو ایسا کرنا جائز ہے۔ ان آراء و اقوال کے تذکرے سے پہلے میں چند باتیں ذہن نشین کرانا ضروری سمجھتا ہوں:

۱۔ اہل علم کے جو اقوال اس باب میں نقل کئے گئے ہیں ان کا تعلق ”اقدامی جہاد“ (جہاد الطلب) سے ہے اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ جو فعل اقدامی جہاد میں جائز ہو، وہ ”دفاعی جہاد“ میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا ہے، کیونکہ دفاعی جہاد تمام علماء کے نزدیک عظیم تر اور اہم تر فریضہ ہے۔

۲۔ مختلف فقہی مذاہب کے علماء کی آراء کا سرسری مطالعہ کرنے سے بھی یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے مسلمانوں کے بعض طبقات میں پائی جانے والی معذرت خواہانہ سوچ دو رحاضر ہی کی پیداوار ہے۔ اسلام اور فقہائے اسلام اس سوچ سے کلیتہً بری ہیں۔ آپ کو ان علماء کی عبارتیں پڑھتے ہوئے کسی بھی مقام پر یہ بات نظر نہیں آئے گی کہ یہ کفار کو راضی اور مطمئن رکھنے کی کوشش میں رہتے تھے..... نہ ہی آپ انہیں اسلام کو ”انسانی حقوق“ نامی کسی معیار کے مطابق ڈھالتے دیکھیں گے..... نہ آپ انہیں دنیا کے سامنے

مسلمانوں کو ”امن پسند“، ”صلح جو“، قوم کے طور پر پیش کرتا پائیں گے!

ذرا ایک نگاہ ان کے اقوال پر تو ڈالئے:

”مشرکین کے قلعوں کو آگ سے جلا ڈالنے میں کوئی حرج نہیں“، نہ ہی ”انہیں پانی میں غرق کرنے“، ”ان کے کنوؤں کو زہر آلود کرنے“ یا ”ان کی آبادیوں کو تباہ اور منہدم کرنے“ میں کوئی مضائقہ ہے۔

ربانی علماء کے زبان و قلم سے تو حق کا اظہار اسی طرح ہوتا ہے جب کہ معذرت خواہانہ سوچ رکھنے والے ان احکامات کو زبان پر لانے کے تصور ہی سے کانپ اٹھتے ہیں۔

۳۔ علمائے سلف کی ان آراء سے عام تباہی پھیلانے والے ان ہتھیاروں کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے جو ان کے اپنے اپنے زمانوں میں پائے جاتے تھے اور جن کے سبب کفار اپنی عورتوں اور بچوں سمیت مارے جاتے تھے۔ بلکہ شافعیہ میں سے امام سیوطی کی تحریر تو اس مسئلے میں نص کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

”نَصَبَ عَلَيْهِمُ الْمُنْجِنِيقُ (رواہ البیہقی)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کے خلاف منجیق نصب کی)

وقیس بہ ما فی معناه مما یعم الاہلاک بہ۔

(اس حدیث سے منجیق کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے) جس پر ایسے ہی دیگر عام

ہلاکت پھیلانے والے ذرائع کو بھی قیاس کیا جائے گا۔“

اس رائے کو بہت سے شافعی علماء نے درست قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی گفتگو ان شاء

اللہ آئندہ صفحات میں کی جائے گی۔ اسی طرح ابن حجر المہیسیؒ فرماتے ہیں:

... وقتلہم بما یعم۔

”..... کفار کو ایسے طریقے سے قتل کرنا (جائز ہے) جو عام ہلاکت پھیلانے کا باعث

ہے۔“

یہ عبارت بھی اس مسئلے میں نص کی سی حیثیت رکھتی ہے۔

۴۔ اہل علم کی ان آراء سے ”حیاتیاتی ہتھیاروں“ کے استعمال کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ بعض علماء نے تو صراحتاً لکھا ہے کہ کفار پر سانپ اور بچھو پھینکنا اور ان کے کنوؤں کو زہر آلود کرنا جائز ہے۔

۵۔ تمام علماء مذکورہ بالا باتوں پر بحیثیت مجموعی متفق ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف پایا جانا ممکن ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ ضمنی اختلافات بھی ”اقدامی جہاد“ ہی کی حد تک ہیں، لہذا اگر کوئی ایسا (مختلف فیہ) فعل کر گزرنا جہاد کی ضرورت بن جائے تو اس صورت میں اختلاف پر قائم رہنا مناسب نہیں ہوگا۔

علمائے احناف کی آراء

۱۔ امام سرحسیؒ شرح السیر الکبیر میں امام محمد بن الحسنؒ کا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”قال: ولا بأس للمسلمين أن يحرقوا حصون المشركين بالنار، أو يغرقوها بالماء، وأن ينصبوا عليها المجانيق، وأن يقطعوا عنهم الماء، وأن يجعلوا في ماء هم الدم والعذرة والسم حتى يفسدوه عليهم، لأن أمرنا بقهرهم و كسر شوكتهم؛ وجميع ما ذكرنا من تدبير الحروب مما يحصل به كسر شوكتهم. فكان راجعا الى الامتثال، لا الى خلاف المأمور، ثم في هذا كله نيل من العدو، وهو سبب اكتساب الثواب، قال الله تعالى: (ولا ينالون من عدو نيلا الا كتب لهم به عمل صالح)، ولا يمتنع شيء من ذلك ما يكون

للمسلمين فيهم من أسرى، أو مستأمنين، صغاراً أو كباراً، نساءً أو رجلاً.
وان علمنا ذلك؛ فانه لا طريق للتحرز عن اصابته مع امثال الأمر بقهر
المشركين، وما لا يستطيع الامتناع منه فهو عفو“۔ اھ۔

”آپؐ نے فرمایا: مسلمانوں کے لئے مشرکین کے قلعے آگ سے جلا ڈالنے یا پانی میں
غرق کرنے، ان کے خلاف متحیق استعمال کرنے، مشرکین کا پانی کاٹ دینے اور اسے
نا قابل استعمال بنانے کے لئے اس میں خون، انسانی فضلات یا زہر ڈالنے میں کوئی حرج
نہیں، کیونکہ ہمیں ان پر قابو پانے اور ان کی قوت و شوکت توڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ہم
نے جن جنگی تدبیروں کا تذکرہ یہاں کیا ہے ان کا مقصد بھی یہی ہے..... یعنی دشمن کی
قوت و شوکت توڑنا۔ ان تدبیر کو اختیار کرنا احکاماتِ الہی کو بجالانا ہے نہ کہ ان کی خلاف
ورزی کرنا۔

نیز یہ سب افعال دشمن سے انتقام لینے کا ذریعہ ہیں اور یہ چیز بھی باعثِ اجر ہے۔ اللہ
تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيلاً إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ (التوبہ: ۱۲۰)
”(ایسا کبھی بھی نہ ہوگا کہ) وہ کسی دشمن سے (عداوتِ حق کا) انتقام لیں اور اس کے
بدلے ان کے حق میں ایک نیک عمل نہ لکھا جائے۔“

مسلمان بچوں یا بڑوں، عورتوں یا مردوں کا بطور قیدی یا مستأمن دشمنوں کے درمیان پایا
جانا بھی درج بالا تدبیریں اختیار کرنے میں مانع نہ ہوگا، چاہے ان کی وہاں موجودگی
ہمارے علم میں ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم بھی پورا کیا
جائے اور ان کے درمیان موجود مسلمانوں پر آئینہ بھی نہ آئے، لہذا جس چیز سے بچنا
ہماری استطاعت سے باہر ہو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔“

(شرح السیر الکبیر: ۱۴/۱۳۶۷)

۲۔ امام سرحسیؒ ’المبسوط‘ میں لکھتے ہیں:

”ولابأس بارسال المء الى مدينة أهل الحرب، واحراقهم بالنار، ورميهم بالمنجنيق، وان كان فيهم أطفال أو ناس من المسلمين أو تجار“۔
 ”اہل حرب کے شہر میں پانی چھوڑنے، انہیں آگ سے جلاڈالنے اور ان پر منجنيق کے گولے برسوانے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ ان کے درمیان بچے اور مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی موجود ہوں۔“

(المبسوط: ۱۰/۶۵)

۳۔ امام کاسانیؒ ’بدائع الصنائع‘ میں فرماتے ہیں:

”ولا بأس باحراق حصونهم بالنار و اغراق بالماء، وتخریبها وهدمها عليهم۔
 ونصب المنجنيق عليها؛ لقوله تبارك وتعالى: (يخربون بيوتهم بأيديهم وأيدي المؤمنين)، ولأن كل ذلك من باب القتال؛ لما فيه من قهر العدو و كبتهم وغيظهم، ولأن حرمة الأموال لحرمة أربابها، ولا حرمة لأنفسهم حتى يقتلون، فكيف لأموالهم؟“۔

”ان کے قلعوں کو آگ سے جلاڈالنے، پانی میں غرق کر دینے، کفار سمیت تباہ اور منہدم کر دینے اور ان کے خلاف منجنيق استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ اللہ کا ارشاد ہے:

يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدَى الْمُؤْمِنِينَ (الحشر: ۲)

”وہ اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر برباد کر رہے تھے اور مومنین کے ہاتھوں سے۔“

نیز (یہ سب افعال) اس لئے بھی (جائز ہیں) کہ ان کا تعلق قتال کے باب سے ہے جہاں مقصود ہی دشمنوں کا زور توڑنا، انہیں ذلیل کرنا اور غصہ دلانا ہوتا ہے..... اور اس لئے بھی کہ مال کا احترام صاحب مال کے احترام کی وجہ سے ہوتا ہے، جب کہ کفار کی تو

اپنی جانیں بھی محترم نہیں، اسی لئے تو ان سے جنگ کی جاتی ہے، تو ان کے اموال بھلا کیسے محترم ہو سکتے ہیں؟“

(بدائع الصنائع: ۱۰۱/۷)

۴۔ عبادیّ 'الجوهرة النيرة' میں لکھتے ہیں:

”فان أبو استعانوا عليهم بالله تعالى: لأنه هو ناصر لأوليائه والمدمر لأعدائه، قوله - أي الماتن - (ونصبوا عليهم المجانيق): أي ينصبونها على حصونهم ويهدمونها، كما نصبها النبي صلى الله عليه وسلم على أهل الطائف، قوله (وحرقوهم): لأن (النبي صلى الله عليه وسلم أحرق البويرة) هو موضع بقرب المدينة فيه نخل، قوله (و أرسلوا عليهم الماء وقطعوا شجرهم وأفسدوا زرعهم): لأن في ذلك كسر شوكتهم وتفريق جمعهم وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم حاصر بني النضير وأمر بقطع نخيلهم وحاصر أهل الطائف وأمر بقطع كرومهم). قوله (ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم أسير أو تاجر): يعني بالنشاب والحجارة والمنجنيق؛ لأن في الرمي دفع الضرر العام بالذبح عن جماعة المسلمين وقتل التاجر والأسير ضرر خاص“ اھ۔

”[پس اگر وہ اسلام لانے اور جزیہ دینے سے انکار کر دیں تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مقابلے میں مدد طلب کی جائے گی] (۱) کیونکہ وہی اپنے اولیاء کا مددگار اور اپنے دشمنوں کا تباہ کرنے والا ہے۔

(۱) اس باب اور آئندہ ابواب میں بین القوسین [] پائی جانے والی عبارات وہ متون ہیں جن کو نقل کر کے علماء نے اپنی تشریحات تو سین سے باہر درج کی ہیں۔ (مترجم)

مصنف کے قول [اور ان کے خلاف منہج استعمال کی جائے] سے مراد ہے کہ ان کے قلعوں کے خلاف منہج استعمال کر کے انہیں منہدم کر دیا جائے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کے خلاف اسے استعمال کیا۔

مصنف کے قول [اور ان لوگوں کو جلاؤ الا جائے] کی دلیل یہ ہے کہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوریہ کو جلوا یا تھا] جو مدینہ کے قریب ایک مقام تھا جہاں یہودیوں کے کھجور کے باغات تھے۔

مصنف کا یہ کہنا کہ [ان پر پانی چھوڑ دیا جائے اور ان کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور ان کی فصلیں برباد کر دی جائیں] اس لئے درست ہے کہ یہ اقدامات ان کی قوت و شوکت توڑنے اور ان کی وحدت پارہ پارہ کرنے کا باعث ہیں۔

یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور ان کے کھجور کے درخت کاٹنے کا حکم دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا]۔

اسی طرح مصنف کے قول کہ [اگر ان کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں] سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر، پتھر یا منہج کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے ضرر عام دور ہوگا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیت مجموعی تحفظ یقینی بنے گا۔ جب کہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا ضرر خاص ہے۔ (۱)۔

(الجوهرة النيرة: ۲/۵۸۲)

(۱) فقہی اصول ہے کہ جب ضرر عام اور ضرر خاص میں سے کسی ایک کو اختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو ضرر خاص اختیار کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں کم لوگ ضرر اٹھائیں گے۔ (مترجم)

علمائے مالکیہ کی آراء

۱۔ امام ابن عربیؒ ”أحكام القرآن“ میں فرماتے ہیں:

”اختلف الناس في تخريب دار العدو وحرقتها وقطع ثمارها على قولين (۱):
الأول: أن ذلك جائز؛ قاله في المدونة. الثاني: أن علم المسلمون أن ذلك
لهم لم يفعلوا. وإن يأسوا فعلوا؛ قاله مالك في الواضحة، وعليه تناظر
الشافعية، والصحيح الأول. وقد علم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن
نخل بني قريظة له، ولكنه قطع وحرق ليكون ذلك نكايه لهم ووهنا
فيهم، حتى يخرجوا عنها، فأتلاف بعض المال لصالح باقيه مصلحة جائزة
شرعا مقصودة عقلا“ اھ۔

”دشمن کی آبادیوں کو تباہ کرنے، انہیں آگ لگانے اور ان کے پھل کاٹنے کے بارے
میں دو طرح کی آراء پائی جاتی ہیں:

ایک رائے کے مطابق ایسا کرنا (مطلقاً) جائز ہے۔ ”المدونة“ میں یہی رائے مذکور
ہے۔

دوسری رائے کے مطابق اگر مسلمانوں کو یقین ہو کہ وہ ان سب چیزوں پر قبضہ کر لیں گے
تو انہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے، البتہ اگر وہ فتح سے مایوس ہو جائیں تو ایسا کر لیں۔ (۱) امام
مالکؒ نے ”الواضحة“ میں یہی رائے ذکر کی ہے اور اسی پر آپؒ نے شافعیہ سے بحث
بھی کی ہے۔

(۱) اس بات پر تو دونوں گروہ متفق ہیں کہ اگر مسلمانوں کا قبضہ ہوتا نظر نہ آ رہا ہو تو ایسا کرنا جائز
ہے۔ اختلاف درحقیقت صرف اتنا سا ہے کہ ایک گروہ کہ نزدیک ایسا کرنا مطلقاً جائز ہے، جبکہ
دوسرے گروہ کے نزدیک اگر مسلمانوں کی فتح کا یقین ہو تو ایسا کرنا درست نہیں۔

درحقیقت پہلی رائے ہی درست رائے ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ جانتے تھے کہ بنی نضیر کے کھجور کے درختوں پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر بھی انہیں کاٹا اور جلایا تاکہ دشمن اس سے عبرت پکڑیں، ہمت چھوڑ بیٹھیں اور علاقہ خالی کر دیں۔ مال کا کچھ حصہ تلف کر کے باقی مال بچالینا ایک جائز شرعی مصلحت ہے اور عقل بھی اسی کا تقاضا کرتی ہے۔“

(احکام القرآن: ۱۷۶/۴)

۲۔ ابن فرحونؒ ’تبصرة الحکام‘ میں لکھتے ہیں:

”مسألة: ويقا تل العدو بكل نوع، وبالنار ان لم يكن غيرها وخيف منهم، فان لم يخف فقولان.

مسألة: لم يختلف في رمي مراكبهم بالمنجنيق، وكذلك حصونهم، وان كان فيهم مسلمون“ اھ۔

”مسئلہ: دشمن کے خلاف ہر قسم کی تدبیر استعمال کی جائے گی، اور اگر کوئی اور طریقہ نہ ہو اور دشمنوں (سے نقصان پہنچنے) کا خوف ہو، تو آگ بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔ البتہ اگر دشمنوں کا خوف نہ ہو تو ایسی حالت میں آگ استعمال کرنے کے حوالے سے دو مختلف آراء پائی جاتی ہیں۔

مسئلہ: کفار کی سوار یوں اور قلعوں پر منجنيق کے گولے برسانے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اگرچہ ان کے درمیان مسلمان ہی کیوں نہ موجود ہوں۔“

(تبصرة الحکام: ۹۵/۲)

۳۔ مواقؒ ’التاج والاکیل‘ میں فرماتے ہیں:

”ابن القاسم: لا بأس أن ترمي حصونهم بالمنجنيق، ويقطع عنهم المبرو

الماء وان كان فيهم مسلمون أو ذرية، وقاله أشهب. قال في المدونة: ولا بأس بتحريق قراهم وحصونهم، و تغريقها بالماء وحرابتها، وقطع الشجر المشمر، وغيره؛ لقوله تعالى: (ولا يطنون موطنًا). (وقد قطع عليه السلام نخل بني النضير وأحرقها)“ اھ۔

”ابن القاسم“ فرماتے ہیں: کفار کے قلعوں پر منجنيق سے گولہ باری کرنے اور ان کی خوراک اور پانی روک دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ ان کے درمیان مسلمان یا چھوٹے بچے ہی کیوں نہ موجود ہوں۔ یہی بات اشہبؒ نے بھی فرمائی ہے۔ آپؒ المدونة میں فرماتے ہیں: کفار کی بستیوں اور قلعوں کو آگ لگانے، غرق آب کرنے، ان میں تباہی مچانے، ان کے پھل دار درخت کاٹ ڈالنے اور ایسی ہی دیگر کارروائیاں کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يَطْنُونَ مَوْطِنًا (التوبة: ۱۲۰)

”اور وہ جو بھی قدم اٹھاتے ہیں.....“

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بنی نضیر کے کھجور کے درخت کٹوائے اور جلوائے تھے۔“

(التاج والا کیلیل: ۴/۵۴۴)

۴۔ الحَرْشُ ”شرح خلیل“ میں فرماتے ہیں:

”يجوز قتال العدو اذا لم يجبيوا الى ما دعا اليه بجميع أنواع الحرب؛ فيجوز قطع الماء عنهم ليموتوا بالعطش، أو يرسل عليهم ليموتوا بالغرق على المشهور. أو يقتلوا بالآلة: كضرب بالسيف، وطعن بالرمح، و رمي بالمنجنيق، وما أشبه ذلك من آلات الحرب“ اھ۔

”اگر دشمن اس دعوت کو قبول کرنے سے انکار کر دیں جو انہیں دی گئی ہے تو ان کے خلاف

ہر قسم کی جنگ لڑنا جائز ہے۔ لہذا انہیں پیسا مارنے کے لئے ان کا پانی کاٹ دینا، یا انہیں غرق کرنے کے لئے ان پر پانی چھوڑ دینا مشہور رائے کے مطابق جائز ہے۔ اسی طرح انہیں کسی آلے، مثلاً تلوار کی ضرب یا نیزے کی چوٹ یا منجیق کے گولے یا ایسے ہی دیگر آلات جنگ سے قتل کرنا بھی جائز ہے۔“

(شرح خلیل: ۱۱۳/۳)

علمائے شافعیہ کی آراء

۱۔ امام شافعیؒ ”کتاب الائم“ میں فرماتے ہیں:

”وَإِذَا تَحَصَّنَ الْعَدُوُّ فِي جَبَلٍ أَوْ حَصْنٍ أَوْ خَنْدَقٍ أَوْ بِحَسَكٍ أَوْ بِمَا يَتَحَصَّنُ بِهِ فَلَا بُأْسَ أَنْ يَرْمُوا بِالْمَجَانِيقِ، وَالْعَرَادَاتِ، وَالنِّيرَانِ، وَالْعِقَارِبِ، وَالْحِيَاتِ، وَكُلِّ مَا يَكْرَهُونَهُ، وَأَنْ يَشْقُوا عَلَيْهِمُ الْمَاءَ لِيُغْرِقُوهُمْ، أَوْ يُوحِلُوهُمْ فِيهِ، وَسَوَاءٌ كَانَ مَعَهُمُ الْأَطْفَالُ وَالنِّسَاءُ وَالرِّهْبَانُ أَوْ لَمْ يَكُونُوا؛ لِأَنَّ الدَّارَ غَيْرَ مَمْنُوعَةَ بِاسْلَامٍ وَلَا عَهْدٍ، وَكَذَلِكَ لَا بُأْسَ أَنْ يَحْرِقُوا شَجَرَهُمُ الْمَثْمَرِ، وَغَيْرَ الْمَثْمَرِ، وَيَخْرِبُوا عَامِرَهُمْ. وَكُلُّ مَا لَارُوحَ فِيهِ مِنْ أَمْوَالِهِمْ“۔

”جب دشمن پہاڑ، قلعے، خندق، کانٹے دار جھاڑیوں یا کسی بھی محفوظ جگہ پناہ لے تو اس پر منجیق یا عرّادۃ (۱) کے گولے، آگ، بچھو، سانپ اور تکلیف پہنچانے والی کوئی بھی چیز پھینکنا جائز ہے۔ اسی طرح انہیں غرق کرنے یا کیچڑ میں دھسنے کے لئے ان پر پانی کھول دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اور ان کے ساتھ عورتیں، بچے یا راہب ہونے یا نہ

(۱) قدیم زمانے میں پتھر برسائے کے لئے استعمال کیا جانے والا آلہ۔

ہونے سے فرق نہیں پڑتا، کیونکہ دشمن کے علاقے پر حملے سے روکنے والے عوامل، یعنی ان کا اسلام قبول کرنا یا ان سے معاہدہ طے پانا، دونوں غیر موجود ہیں۔ اسی طرح ان کے پھل دار یا بے پھل درخت جلانے، ان کی آبادیاں اور ان کا ہر غیر ذی روح مال برباد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔“

(کتاب الأم: ۴/۲۵۷)

۲۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ’فتح الباری‘ میں فرماتے ہیں:

”وقد ذهب الجمهور إلى جواز التحريق والتخريب في بلاد العدو، وكرهه الأوزاعي والليث وأبو ثور، واحتجوا بوصية أبي بكر لجيوشه أن لا يفعلوا شيئاً من ذلك، وأجاب الطبري بأن النهي محمول على القصد لذلك بخلاف ما إذا أصابوا ذلك في خلال القتال، كما وقع في نصب المنجنيق على الطائف، وهو نحو ما أجاب به في النهي عن قتل النساء والصبيان، وبهذا قال أكثر أهل العلم، ونحو ذلك قتل بالتغريق. وقال غيره: إنما نهى أبو بكر جيوشه عن ذلك لأنه علم أن تلك البلاد ستفتح فأراد إبقاءها على المسلمين، والله أعلم“۔

”جمہور علماء دشمن کے علاقے میں آگ لگانے اور تباہی مچانے کو جائز قرار دیتے ہیں، جبکہ امام اوزاعی، لیث اور ابو ثور نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ حضرات حضرت ابو بکرؓ کی ان ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؓ نے اپنی افواج کو ایسے کسی بھی کام سے منع فرمایا تھا۔ امام طبریؒ اس رائے کے جواب میں فرماتے ہیں کہ (آگ لگانے اور تباہی مچانے کی) ممانعت سے مقصود قصد ایسا کرنے کی ممانعت ہے۔ البتہ اگر لڑائی کے دوران ایسا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے) طائف والوں کے خلاف منجنيق کے استعمال سے ہوا۔ طبریؒ نے عورتوں اور بچوں کے قتل

کے حوالے سے بھی ایسا ہی جواب دیا ہے، اور اہل علم کی اکثریت کی رائے یہی ہے۔ اسی طرح پانی میں ڈبو کر قتل کرنے کے حوالے سے بھی آپؐ نے ایسی ہی رائے کا اظہار کیا ہے۔

کچھ اور علماء نے (امام اوزاعیؒ وغیرہ کی رائے کو رد کرتے ہوئے) کہا ہے کہ: حضرت ابو بکرؓ نے اپنی افواج کو اس لئے منع فرمایا تھا کیونکہ آپؐ جان گئے تھے کہ وہ علاقے عنقریب فتح ہو جائیں گے، لہذا آپؐ نے چاہا کہ وہ مال صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائے، واللہ اعلم۔“

(فتح الباری: ۶/۱۵۵)

۳۔ ابن حجر الہیثمیؒ ”تحفة المحتاج“ میں فرماتے ہیں:

” (و یجوز حصار الکفار فی البلاد والقلاع) وغیرہا، (وارسال الماء علیہم) و قطعہ عنہم، (ورمیہم بنار والمنجنیق) وغیرہما، وان کان فیہم نساء و صبیان، و لو قدرنا علیہم بدون ذلک کما قالہ البندنجی و ان قال الزرکشی الظاہر خلافہ؛ و ذلک لقولہ تعالیٰ (وخذوہم و احصروہم): ولأنہ (صلی اللہ علیہ وسلم حصر أهل الطائف و رماہم بالمنجنیق) رواہ البیہقی وغیرہ... (وان کان فیہم مسلم) و احد فأكثر. (أسیر أو تاجر جاز ذلک) أي احصارہم و قتلہم بما یعم، و تبییثہم فی غفلة، و ان علم قتل مسلم بذلک لکن یجب توقیہ ما أمکن. (علی المذہب) لئلا یعطلوا الجہاد علینا بحبس مسلم عندہم، نعم یکرہ ذلک حیث لم یضطر الیہ، کأن لم یحصل الفتح الا بہ تحرزا من ایذاء المسلم ما أمکن مثله فی ذلک الذمی ولا ضمان هنا فی قتله؛ لأن الفرض أنه لم تعلم عینہ“ اھ۔

”[کفار کو ان کے علاقوں اور قلعوں میں محصور کرنا جائز ہے] (۱) اسی طرح انہیں کسی اور مقام پر بھی محصور کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

[نیز ان پر پانی چھوڑ دینا]، ان کا پانی کاٹ دینا، [ان پر آگ یا منجیق کے گولے برسانا] اور دیگر ایسے افعال کرنا بھی درست ہے، خواہ ان میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوں اور خواہ ہم یہ سب تدبیریں استعمال کئے بغیر بھی ان پر غلبہ پاسکتے ہوں، جیسا کہ بندیجی نے فرمایا ہے۔ گو کہ زکشیؒ نے بظاہر اس رائے سے اختلاف کیا ہے، مگر [درست رائے یہی ہے] کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ خُذُوْهُمْ وَاْخْصِرُوْهُمْ (التوبة: ۵)

[”ان (مشرکین کو) پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو.....“]

اور چونکہ:

حَصَرَ اَهْلَ الطَّائِفِ وَ رَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيقِ.

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجیق سے گولہ باری کی]

مندرجہ بالا حدیث کو بیہقیؒ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

[اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں]، ایک یا ایک سے زیادہ، [خواہ وہ قیدی ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے]، یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعے سے قتل کرنا جس سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شہ خون مارنا، خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم ہو کہ مسلمان بھی ضحماً مارا جائے گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو، کفار کو مارتے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

(۱) اس باب اور آئندہ ابواب میں بین القوسین [] پائی جانے والی عبارات وہ متون ہیں جن کو

نقل کر کے علماء نے اپنی تشریحات قوسین سے باہر درج کی ہیں۔ (مترجم)

[اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا موقف یہی ہے] تاکہ کفار کسی مسلمان کو اپنے قبضے میں لے کر جہاد کو معطل نہ کر سکیں۔ البتہ جب ہم یہ حربے استعمال کرنے پر مجبور نہ ہوں، مثلاً جب یہ سب کچھ کئے بغیر بھی فتح حاصل ہو سکتی ہو، تو ان کا استعمال مکروہ قرار پائے گا، تاکہ مسلمانوں کو حتی الامکان اذیت سے بچایا جاسکے۔ ایسا ہی حکم ذمی کے معاملے میں بھی ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ اس طرح مارے جانے والے مسلمان کے قتل پر کوئی معاوضہ (ضمان) نہیں ادا کیا جائے گا اور یہی بات فرض کی جائے گی کہ مارنے والا اس مسلمان کی وہاں موجودگی سے غافل تھا۔

(تحفة المحتاج: ۲۴۲/۹)

۴۔ امام سیوطیؒ، 'أسنى المطالب' میں فرماتے ہیں، (اصل متن ذکر یا انصاریؒ کا ہے اور اسے بین القوسین درج کیا گیا ہے):

” (و) یجوز (اتلافهم بالماء والنار) قال تعالى (وخذوهم واحصروهم)، و (حاصر صلی اللہ علیہ وسلم أهل الطائف) رواه الشيخان، و (نصب علیہم المنجنیق) رواه البيهقي، و قيس به ما في معناه مما يعم الاهلاك به۔“
 ”[اور] انہیں [پانی یا آگ سے تلف کرنا] جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ خُذُوهُمْ وَ احْصُرُوهُمْ (التوبة: ۵)

[”ان (مشرکین کو) پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو.....“]

اور صحیحین کی روایت ہے کہ:

حَصَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَهْلَ الطَّائِفِ (صحيح المسلم: كتاب الجهاد

والسير، باب غزوة الطائف)

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کا محاصرہ کیا]

اور پہنچنے کی روایت ہے کہ

وَنَصَبَ عَلَيْهِمُ الْمُنَجِّقَ

[اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر منجیق نصب کی]

(اس حدیث سے منجیق کے استعمال کا جواز ثابت ہوتا ہے) جس پر ایسے ہی دیگر عام

ہلاکت پھیلانے والے ذرائع کو بھی قیاس کیا جائے گا۔^(۱)

(أُسْنَى الْمَطَالِب: ۱۹۱/۴)

علمائے حنابلہ کی آراء

۱۔ امام ابنِ قدامہؒ ’المغنی‘ میں فرماتے ہیں:

”مَسْأَلَةٌ: قَالَ - يَعْنِي الْخُرْقِي - : (وَإِذَا حُورِبَ الْعَدُو، لَمْ يَحْرِقُوا بِالنَّارِ): أَمَّا الْعَدُو إِذَا قَدَّرَ عَلَيْهِ فَلَا يَجُوزُ تَحْرِيقُهُ بِالنَّارِ بِغَيْرِ خِلَافٍ نَعْلَمُهُ، وَقَدْ كَانَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَأْمُرُ بِتَحْرِيقِ أَهْلِ الرَّدَّةِ بِالنَّارِ، وَفَعَلَ ذَلِكَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِأَمْرِهِ، فَأَمَّا الْيَوْمُ فَلَا أَعْلَمُ فِيهِ بَيْنَ النَّاسِ خِلَافًا... فَأَمَّا رَمِيهِمْ قَبْلَ أَخْذِهِمُ بِالنَّارِ، فَإِنْ أَمَكُنْ أَخْذَهُمْ بَدُونِهَا، لَمْ يَجُزْ رَمِيهِمْ بِهَا؛ لِأَنَّهُمْ فِي مَعْنَى الْمَقْدُورِ عَلَيْهِ. وَأَمَّا عِنْدَ عَجْزِ عَنْهُمْ بِغَيْرِهَا، فَجَائِزٌ فِي قَوْلِ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَبِهِ قَالَ الثَّوْرِيُّ، وَالْأَوْزَاعِيُّ، وَالشَّافِعِيُّ... وَكَذَلِكَ الْحَكَمُ فِي فَتْحِ الْبُثُوقِ

(۱) یہ عبارت ہمارے اس موضوع سے متعلق نص کی حیثیت رکھتی ہے۔ فقہائے شافعیہ نے اسے

بکثرت استعمال کیا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے: (تحفة المحتاج

: ۲۴۲/۹)، (مغنی المحتاج: ۳۱/۶)، (فتوحات الوہاب: ۱۹۵/۵)، (التجريد:

عليهم، ليغرقهم، ان قدر عليهم بغيره، لم يجز، اذا تضمن ذلك اتلاف النساء والذرية، الذين يحرم اتلافهم قصداً، وان لم يقدر عليهم الا به، جاز كما يجوز البيات المتضمن لذلك. ويجوز نصب المنجنيق عليهم. وظاهر كلام أحمد جوازه مع الحاجة وعدمها“۔

”مسئلہ: خرقی کا قول ہے کہ: [جب دشمن سے جنگ کی جائے تو اسے آگ سے نہ جلایا جائے]۔ جہاں تک ایسے دشمن کا تعلق ہے جس پر قابو پایا گیا ہو، تو اسے آگ سے جلانا جائز نہیں۔ ہمارے علم میں نہیں کہ اس بارے میں کوئی اختلاف پایا جاتا ہو۔ یقیناً حضرت ابو بکرؓ مردوں کو آگ سے جلانے کا حکم دیتے تھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپؐ کے اس حکم پر عمل بھی کیا، مگر میرے علم میں نہیں کہ آج اس حوالے سے لوگوں میں کوئی اختلاف موجود ہو۔

البتہ جہاں تک دشمن پر قابو پانے سے پہلے ان پر آگ برسانے کا معاملہ ہے، تو اگر اس کے بغیر بھی انہیں پکڑنا ممکن ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ان کا شمار بھی انہی لوگوں میں ہوگا جن پر قابو پایا گیا ہو۔ لیکن اگر ان پر آگ برسانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو تو پھر ایسا کرنا جائز ہے۔ اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے۔ امام ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور امام شافعیؒ نے یہی رائے اختیار کی ہے۔ اسی طرح اگر کفار کے درمیان ان کی عورتیں اور بچے موجود ہوں، جنہیں قصداً مارنا حرام ہے، اور کفار پر کسی اور طرح قابو پانا ممکن ہو، تو انہیں غرق کرنے کے لئے ان پر پانی کا ریلہ کھول دینا جائز نہیں۔ لیکن اگر اس کے سوا ان پر قابو پانے کی کوئی صورت نہ ہو تو ایسا کرنا بھی جائز ہے، (بالکل اسی طرح) جیسے کفار پر شب خون مارنا جائز ہے (خواہ ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں)۔

نیز ان کے خلاف منجنيق کا استعمال بھی جائز ہے۔ امام احمدؒ کی رائے سے یہی ظاہر ہوتا ہے

کہ ضرورتاً اور بلا ضرورت، دونوں صورتوں میں منہنق کا استعمال درست ہے۔“

(المغنی: ۲۳۰/۹)

۲۔ البہوتیؒ ’کشاف القناع‘ میں لکھتے ہیں:

” (وَكَذَا يَجُوزُ رَمِيهِمْ) أَي: الْكَفَّارُ (بِالنَّارِ، وَالْحَيَاتِ، وَالْعُقَابِ فِي كَفَاتِ الْمَجَانِيقِ، وَيَجُوزُ تَدْخِينُهُمْ فِي الْمَطَامِيرِ، وَفَتْحُ الْمَاءِ لَغَرْقِهِمْ، وَفَتْحُ حَصُونِهِمْ وَعَامَرُهُمْ) أَي: هَدَمَهَا عَلَيْهِمْ؛ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى التَّيْبِيتِ (فَإِذَا قَدَّرَ عَلَيْهِمْ لَمْ يَجْزِ تَحْرِيقُهُمْ) لِحَدِيثِ (إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قُتِلْتُمْ فَاحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذُبِحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَةَ)، وَلَقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فَإِنَّهُ لَا يَعْذِبُ بِالنَّارِ إِلَّا رُبَّ النَّارِ) رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَأْمُرُ بِتَحْرِيقِ أَهْلِ الرَّدَّةِ بِالنَّارِ وَفَعَلَهُ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ بِأَمْرِهِ“۔

”[اور اسی طرح جائز ہے کہ ان پر برسائے جائیں] یعنی کفار پر، [منہنق کے ذریعے آگ، سانپ اور بچھو۔ نیز انہیں تہہ خانوں میں دھواں دینا، انہیں ڈبوں کے لئے پانی کھولنا اور ان کے قلعوں اور آبادیوں کو تباہ کرنا] یعنی کفار ہی پر ان کی عمارتیں گرا دینا جائز ہے، کیونکہ ایسا کرنا شب خون مارنے ہی کی مانند ہے۔ [البتہ اگر وہ قابو میں آجائیں تو انہیں جلانا درست نہیں] کیونکہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ:

إِنَّ اللَّهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قُتِلْتُمْ فَاحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذُبِحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ (مسلم: کتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بالإحسان الذبح والقتل)

[اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں بھلائی فرض کی ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو بھلے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو بھلے طریقے سے ذبح کرو]

اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ
فَإِنَّهُ لَا يُعَذَّبُ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ .

(سنن أبی داؤد: کتاب الجہاد، باب فی کراہیۃ حرق العدو بالنار)

[یقیناً آگ کا عذاب نہیں دیتا سوائے اس کے جو آگ کا پیدا کرنے والا ہے]

حضرت ابو بکرؓ مرتدین کو آگ سے جلانے کا حکم دیا کرتے تھے اور حضرت خالد بن ولیدؓ نے آپؐ کے حکم سے ایسا کیا بھی۔“

(کشاف القناع: ۴۹/۳)

۳۔ البہوتیؒ ہی شرح منتهی الارادات میں فرماتے ہیں:

” (و) یجوز (رمیہم) أي الکفار (بمنجنیق) نساء، لأنه صلى الله عليه وسلم
(نصب المنجنیق علی الطائف) رواه الترمذی مرسلًا، ونصبه عمرو بن
العاص علی الاسکندریة، فظاهر کلام أحمد جوازہ مع حاجة و عدمها. (و)
یجوز رمیہم (بنار، و) یجوز (قطع سابلہ) أي طریق، (و) قطع (ماء) عنہم ،
(و) (فتحه لیغرقہم)، (و) یجوز (هدم عامرہم)، و ان تضمن اطلاق، نحو نساء و
صبیان؛ لأنه فی معنی التبییت“ اھ۔

” [اور] کفار پر [منجنیق کے گولے برسانا] نص کی رو سے جائز ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے [طائف پر منجنیق نصب کی] ترمذیؒ نے اسے مرسلًا روایت کیا ہے۔ اور
حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کے خلاف منجنیق استعمال کی۔ پس امام احمد بن حنبلؓ
کی رائے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا استعمال ضرورتاً اور بلا ضرورت، دونوں صورتوں
میں جائز ہے۔ [اور ان پر آگ] پھینکنا جائز ہے، [ان کا راستہ کاٹنا] جائز ہے، ان کا
[پانی] کاٹنا [یا ان کو غرق کرنے کے لئے پانی کھول دینا] جائز ہے اور [ان کی آباد
عمارتوں کو منہدم کرنا] بھی جائز ہے خواہ عورتیں اور بچے وغیرہ بھی ضمناً مارے جائیں،

کیونکہ یہ شب خون مارنے ہی کی مانند ہے۔“

(شرح منتهی الارادات: ۱/۶۳۳)

۴۔ الرحیبانیؒ ’مطالب أولی النهی‘ میں لکھتے ہیں:

” (و) یجوز (رمیہم بمنجیق) نسا (لأنه صلى الله عليه وسلم نصب بمنجیق على الطائف) رواه الترمذي مرسلًا. ونصبه عمرو بن العاص على الاسكندرية، وظاهر كلام أحمد جوازه مع الحاجة وغيرها (و) یجوز رمیہم (بنار و نحو عقرب)؛ كأفاعي (و تدخينهم بمطامر) وهي الهفيرة في الأرض. قاله في ”القاموس“، (و) یجوز (قطع سابلة)، أي: طريقهم عنهم، (و) قطع (ماء) عنهم (و فتحه ليعرفهم، و) یجوز (هدم عامرهم)، وان تضمن اتلاف نحو نساء وصبيان اذا لم يقصد هدم، لأنه في معنى التبييت“۔ اھ۔

”اور [ان پر منجیق سے گولہ باری کرنا] نص کی رو سے جائز ہے، کیونکہ ترمذیؒ نے مرسلًا روایت کیا ہے کہ [نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر منجیق نصب کی]۔ اسی طرح حضرت عمرو بن العاصؓ نے اسکندریہ کے خلاف منجیق استعمال کی اور امام احمدؒ کی رائے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا استعمال ضرورتاً اور بلا ضرورت، دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

[نیز ان پر آگ، پھجھو اور ایسی ہی دیگر چیزیں] مثلاً زہریلے سانپ وغیرہ [برسانا]، [انہیں تہ خانوں میں دھواں دینا]، [ان کا راستہ کاٹنا]، [ان کا پانی] کاٹنا اور [انہیں غرق کرنے کے لئے ان پر پانی کھول دینا] جائز ہے۔ اسی طرح [ان کی آبادیوں کو منہدم کرنا بھی] جائز ہے، خواہ عورتیں اور بچے بھی ضمناً مارے جائیں، کیونکہ یہ شب خون مارنے ہی کی مانند ہے۔ البتہ عورتوں اور بچوں کو مارنے کی نیت سے حملہ نہ کیا جائے۔“

(مطالب أولی النهی: ۵۱۶/۲)

علمائے ظاہریہ کی رائے

۱۔ امام ابن حزمؒ 'المحلی' میں فرماتے ہیں:

”جائز تحریق أشجار المشركين، وأطعمهم، وزرعهم ودورهم وهدمها، قال الله تعالى: (ما قطعتم من لينة أو تركتموها قائمة على أصولها فبإذن الله وليخزي الفاسقين) وقال تعالى: (ولا يطنون موطنًا يغيط الكفار ولا ينالون من عدو نيلاً إلا كتب لهم به عمل صالح)، وقد أحرق رسول الله صلى الله عليه وسلم نخل بنى النضير - وهي في طرف دور المدينة - وقد علم أنها نصير للمسلمين في يوم أو غده“۔ اھ۔

”مشركين کے درخت، ان کی خوراک، ان کی کھیتیاں اور ان کی عمارتیں جلانا جائز ہے۔ اسی طرح ان کی عمارتیں منہدم کرنا بھی جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ۝ (الحشر: ۵)

”تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا اور اس لئے بھی کہ اللہ فاسقوں کو رسوا کرے۔“

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا يَطْنُونَ مَوْطِنًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نِيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ (التوبة: ۱۲۰)

”(ایسا کبھی بھی نہ ہوگا کہ) وہ اس راہ پر کوئی قدم اٹھائیں جو منکرین حق کو ناگوار ہے اور کسی دشمن سے (عداوت حق کا) کوئی انتقام لیں اور اس کے بدلے ان کے حق میں ایک عمل صالح نہ لکھا جائے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ کی بستی کے ایک جانب واقع بنی نضیر کے درخت جلوائے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ آج نہیں تو کل مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں گے۔“

(المحلی: ۳۴۶/۵)

دیگر مجتہدین کی آراء

۱۔ امام صنعانیؒ ’سبیل السلام‘ میں فرماتے ہیں:

وعن ابن عمر رضي الله عنهما قال: (حرق رسول الله صلى الله عليه وسلم نخل بني نضير وقطع) متفق عليه: يدل على جواز افساد أموال أهل الحرب بالتحريق والقطع لمصلحة، وفي ذلك نزلت الآية (ما قطعتم من لينة) الآية، قال المشركون: انك تنهى عن الفساد في الأرض فما بال قطع الأشجار و تحريقها؟... وقد ذهب الجماهير الى جواز التحريق والتخريب في بلاد العدو، وكرهه الأوزاعي وأبو ثور واحتجوا بأن أبا بكر وصي جيو شه أن لا يفعلوا ذلك، وأجيب بأنه رأى المصلحة في بقائها لأنه قد علم أنها تصير للمسلمين فأراد بقائها لهم، وذلك يدور على ملاحظة المصلحة“ اهـ۔

”حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

حَرَّقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ وَقَطَعَ (صحيح البخارى: كتاب

المغازى، باب حديث بنى النضير)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درخت جلادیئے اور انہیں کاٹ دیا)

اس حدیث سے اہل حرب کا مال جلا کر برباد کرنے اور ان کی ضروریات منقطع کرنے کا

جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہ آیت مبارکہ اسی بارے میں نازل ہوئی ہے:

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ (الحشر: ۵)
 ”تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا،
 یہ سب اللہ تعالیٰ کے فرمان سے تھا۔“

یہ آیت مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں نازل ہوئی تھی کہ: (اے محمد!) تم تو زمین میں فساد پھیلانے سے منع کرتے ہو، پھر یہ درخت کاٹنا اور جلانا چہ معنی.....؟
 جمہور علماء کے نزدیک دشمن کے علاقے میں آگ لگانا اور تباہی مچانا جائز ہے، جبکہ امام اوزاعیؒ اور ابو ثورؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ یہ حضرات حضرت ابوبکرؓ کی ان ہدایات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں آپؐ نے اپنی افواج کو ایسا کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (امام اوزاعیؒ اور ابو ثورؒ) اس رائے کے جواب میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ جانتے تھے کہ یہ علاقے عنقریب مسلمانوں کی ملکیت میں آجائیں گے۔ لہذا آپؐ نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ وہاں موجود درخت وغیرہ صحیح سلامت مسلمانوں کے قبضے میں آجائیں۔ چنانچہ (ممانعت کا) یہ حکم مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیا جائے گا۔“
 (سبل السلام: ۵۱/۴)

۲۔ امام شوکانیؒ ”نیل الأوطار“ میں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سمیت کئی دیگر احادیث کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”والأحاديث المذكورة فيها دليل على جواز التحريق في بلاد العدو، قال في الفتح - ثم نقل كلام الحافظ السابق وأقره - ثم قال: ولا يخفى أن ما وقع من أبي بكرؓ لا يصلح لمعارضة ما ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم لما تقرر من عدم حجية قول الصحابي“ اهـ۔

”مذکورہ احادیث سے دشمن کے علاقے میں آگ لگانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ حافظ

ابن حجرؒ فتح الباری میں فرماتے ہیں..... اس کے بعد آپؐ نے حافظ ابن حجرؒ کی پہلے دی گئی عبارت نقل کر کے اس کی تائید کی اور فرمایا:

یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ حضرت ابو بکرؓ کا قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ (اقوال و افعال) کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے مقابلے میں) قول صحابیؓ حجت کی حیثیت نہیں رکھتا۔“

(نبیل الأوطار: ۷۸/۸)

۳۔ امام شوکانیؒ ’السیل الجرار‘ میں لکھتے ہیں:

”قد أمر الله بقتل المشركين، ولم يعين لنا الصفة التي يكون عليها، ولا أخذ علينا أن لا نفعل الا كذا دون كذا، فلا مانع من قتلهم بكل سبب للقتل من رمي، أو تغريق، أو هدم، أو دفع من شاق، أو نحو ذلك“۔ اھ۔

”یقیناً اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کرنے کے لئے ہمیں کسی خاص طریقے کا پابند نہیں کیا اور نہ ہی انہیں قتل کرتے ہوئے بعض افعال کرنے اور بعض نہ کرنے کا حکم دیا۔ پس انہیں قتل کرنے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنے میں کوئی شے مانع نہیں۔ لہذا ان پر (تیر یا منجلیق کا گولہ وغیرہ) برسا کر، (جسم میں) کوئی شے گھونپ کر، پانی میں غرق کر کے، عمارت منہدم کر کے، بلندی سے دھکا دے کر یا کوئی بھی اور ذریعہ استعمال کر کے مارنا جائز ہے۔“ (۱)

(السیل الجرار: ۵۳۴/۴)

(۱) اس کے بعد آپؐ نے دشمن کو جلا ڈالنے کی ممانعت کے حوالے سے خاص طور پر گفتگو کی ہے۔ علماء کے ایک گروہ کے نزدیک اضطراری صورتحال کے علاوہ دشمن کو آگ لگا کر قتل کرنا حرام ہے۔ البتہ جب اضطراری حالات ہوں، یعنی دشمن کو جلا ڈالے بغیر اس کے خلاف جہاد کرنا ممکن نہ ہو تو جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے ایسی صورت میں تمام ہی علماء اس کے جواز کے قائل ہیں۔

باب چہارم

شبہات اور ان کا رد

تمہید

زیر بحث مسئلے سے متعلق دہرائے جانے والے نمایاں شبہات درج ذیل ہیں:

پہلا شبہہ: عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت۔

دوسرا شبہہ: زمین میں فساد کی حرمت۔

تیسرا شبہہ: عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے مسلمانوں کا جانی

نقصان۔

میں آئندہ سطروں میں مختصر اُن تینوں شبہات کا جواب دوں گا۔

پہلا شبہہ:

عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت

معتزین کہتے ہیں کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ

أَنَّ امْرَأَةً وَجَدْتُ فِي بَعْضِ مَعَاذِي النَّبِيِّ ﷺ مَقْتُولَةً فَأَنْكَرَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

قَتْلَ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ. (صحیح بخاری: کتاب الجہاد والسیر، قتل الصبیان فی الحرب)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غزوات میں مقتولہ عورت پائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا)

نیز صحیح مسلم میں حضرت بریدہ بن الحصیبؓ سے روایت ہے کہ

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْ صَاهُ فِي خَاصَّتِهِ بِتَقْوَى اللَّهِ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوا وَلَا تَغْلُوا وَلَا تَعْدُوا وَلَا تَمْشُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلَيْدًا (صحیح مسلم: کتاب الجہاد والسير، باب تأمیر الامراء علی

البعوث ووصية اياهم بأداب الغزو وغيرها)

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی شخص کو لشکر یا سریے پر امیر مقرر فرماتے تو خاص طور پر اس کو اللہ سے ڈرنے اور اس کے ساتھ موجود مسلمانوں کو بھلائی کرنے کا حکم دیتے۔ پھر فرماتے: جہاد کرو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر، اللہ کی راہ میں لڑو اس سے جس نے اللہ سے کفر کیا، جہاد کرو اور غنیمت کے مال میں سے چوری نہ کرو اور وعدہ نہ توڑو اور مثلہ نہ کرو اور بچوں کو قتل مت کرو)

مذکورہ بالا احادیث اور ایسی ہی دیگر روایات عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر دلالت کرتی ہیں جبکہ عام تاہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے استعمال سے عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے ہیں؟!

جواب: کئی دیگر نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ چھاپہ مار کارروائی اور شب خون میں عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہے۔ اس حوالے سے حدیث صعب بن جثامہؓ پہلے گزر چکی ہے۔ ان دونوں قسم کی احادیث کو جمع کرتے ہوئے علماء کہتے ہیں کہ عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت اس صورت میں ہے جب ان میں اور دیگر کفار میں تمیز کرنا ممکن ہو، البتہ جب ایسا کرنا ممکن نہ ہو تو باقیوں کے ساتھ ان کا بھی ضمناً مارا جانا جائز ہے۔

ہم گزشتہ ابواب میں اہل علم کی آراء نقل کر چکے ہیں جن میں یہ بات وضاحت سے کہی گئی ہے کہ جب عورتوں، بچوں اور دیگر کفار میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو تو ان کا قتل بھی جائز ہے۔ ہم نے امام شافعی کا یہ قول بھی نقل کیا تھا کہ:

”ہمارے نزدیک عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد اللہ اعلم یہ ہے کہ جب عورتوں اور بچوں کو ان لوگوں سے علیحدہ پہچانا ممکن ہو جنہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، تو انہیں جان بوجھ کر نشانہ نہ بنایا جائے۔ نیز آپؐ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ’ہُمْ مِّنْهُمْ‘، یعنی وہ (عورتیں اور بچے) بھی انہیں میں سے ہیں‘ سے مراد یہ ہے کہ ان عورتوں اور بچوں میں (جو بالغ کافر مردوں میں گھلے ملے ہوئے ہیں) دو ایسی صفات پائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے: نہ تو وہ حالت ایمان میں ہیں، کہ ان کا خون بہانا منع ہو، نہ ہی ان کی بستی دار الایمان ہے کہ اس پر چھاپہ مارنا ممنوع ہو (۱)۔“ (المسألة: ص ۲۹۹)

اب چونکہ یہ ممکن نہیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ذرائع استعمال کرتے ہوئے عورتوں، بچوں اور دیگر کفار میں تمیز کی جائے، لہذا اس کا شرعی حکم وہی ہوگا جو شب خون مارنے یا منجنيق سے گولہ باری کرنے کا ہے۔ ہم گزشتہ باب میں بھی دیکھ چکے ہیں کہ بعض اہل علم نے بڑی وضاحت سے یہ بات لکھی ہے کہ دشمن کو نقصان پہنچانے کے وہ تمام ذرائع جو عام ہلاکت پھیلانے کا سبب بنتے ہیں، منجنيق پر قیاس کئے جائیں گے۔ مثلاً امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:

”وقیس بہ ما فی معناه مما یعم الاہلاک بہ۔“

”اور منجنيق ہی پر قیاس کئے جائیں گے اسی جیسے وہ دیگر ذرائع جو عام ہلاکت پھیلانے کا

سبب بنتے ہیں۔“ (أسنى المطالب: ۱۹۱/۴)

(۱) دوسرے باب میں پہلی دلیل کے تحت ذکر کی گئی اہل علم کی آراء دیکھئے، نیز تیسرے باب میں مذکور اقوال بھی پڑھئے جہاں شب خون یا چھاپہ مارنے کے دوران اور منجنيق سے گولہ باری کے نتیجے میں عورتوں اور بچوں کے قتل کو صراحتاً جائز کہا گیا ہے۔

دوسرا شبہ:

زمین میں فساد پھیلانے کی حرمت

معتزین کہتے ہیں کہ اس اسلحے کے استعمال سے زمین میں فساد پھیلے گا، کھیتیاں اور نسلیں تباہ ہوں گی، جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا (الاعراف: ۵۶)

”اور زمین میں فساد مت پھیلاؤ اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد۔“

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ (البقرة: ۲۰۵)

”جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے اور کھیتیوں اور نسلوں کو برباد کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو ناپسند کرتے ہیں۔“

جواب: اس شبہ کا جواب دو طریقوں سے دیا جاسکتا ہے:

۱۔ اس شبہ کا تذکرہ سب سے پہلے یہودیوں نے کیا اور اللہ تعالیٰ نے خود اس کا جواب قرآن مجید میں دے دیا۔ ابن اسحاقؒ ”السيرة“ میں یزید بن رومانؒ سے اور ابو داؤدؒ ”مرا سیل“ میں عبداللہ بن ابی بکرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بنی نضیر پہنچے تو وہ لوگ قلعہ بند ہو گئے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے ان کے کھجور کے درخت کاٹے اور انہیں آگ لگا دی۔ جب یہودیوں نے درخت کٹتے اور جلتے دیکھے تو پکارنے لگے: ”اے محمد! آپ تو فساد پھیلانے سے منع کرتے تھے، پھر یہ کھجور کے درخت کاٹنا اور جلانا چہ معنی؟“ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ

آیت نازل فرمائی کہ:

مَا قَطَعْتُمْ مِّن لِّينَةٍ (سورة الحشر: ۵)

”تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے.....“

۲۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تمام فقہاء اس اصول پر متفق ہیں کہ:

”اذا تعارضت مفسدتان دفعت أعظمهما بارتكاب أدناهما.“

”جب دو مفسد میں سے ایک کو اختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو کم تر مفسدے کا ارتکاب کر

کے بڑے مفسدے سے بچا جائے گا۔“

چونکہ تمام فقہاء کے نزدیک کفار کا اپنے کفر پر قائم رہنا اور اسلامی حکومت کے تحت نہ آنا، ان کے علاقوں کے تباہ و برباد ہو جانے سے زیادہ بڑا مفسدہ ہے، لہذا فقہاء کی آراء اس نکتے پر متفق ہیں کہ جب مجاہدین کے پاس کفار پر غالب آنے کے لئے کوئی ایسا حربہ استعمال کئے بغیر چارہ نہ ہو جس سے ان کی عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہی مارے جائیں، تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہوگا۔ ہاں البتہ عام حالات میں عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کا حکم اپنی جگہ برقرار رہے گا۔ یہ حکم اقدامی جہاد سے متعلق ہے اور اس حوالے سے اہل علم کی آراء ہم تیسرے باب میں نقل کر چکے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر کفار کا محض اپنے کفر پر قائم رہنا ان کی بستیوں کی تباہی سے زیادہ بڑا مفسدہ ہے، تو شریعت کا ایسے کفار کے بارے میں کیا موقف ہوگا جو نہ صرف اپنے کفر پر قائم ہوں بلکہ مسلمانوں کے علاقوں، ان کے دین، ان کی عزت اور ان کے جان و مال کے بھی درپے ہوں؟! اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ دفاعی جہاد کی فرضیت اقدامی جہاد سے کہیں بڑھ کر ہے، لہذا بفعل اقدامی جہاد میں جائز ہو وہ دفاعی جہاد میں بدرجہ اولیٰ جائز ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”وأما قتال الدفع فهو أشد أنواع دفع المصائل عن الحرمه والدين فواجب

اجماعاً، فالعدو الصائل الذى يفسد الدين والدنيا لا شيء أوجب بعد
الایمان من دفعه، فلا يشترط له شرط بل يدفع بحسب الامكان، وقد
نص على ذلك العلماء أصحابنا وغيرهم“ اھ۔

”دفاعی قتال حرمتموں اور دین پر حملہ آور ہونے والے دشمن کو پچھاڑنے کا سب سے مؤثر
طریقہ ہے اور اسی لئے اس کے فرض ہونے پر امت کا اجماع ہے۔ ایمان لانے کے بعد
سب سے اہم فریضہ دین و دنیا کو برباد کرنے والے حملہ آور دشمن کو پچھاڑنا ہے۔ اس کی
فرضیت کے لئے کوئی شرائط نہیں بلکہ اسے پچھاڑنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے
گی۔ یہ بات علماء نے صراحتاً کہی ہے، خواہ وہ ہمارے مذہب فقہی کے علماء ہوں، یا دیگر
فقہی مذاہب کے۔“ (الفتاویٰ الکبریٰ: ۵۲۰/۴)

تیسرا شبہ :

عام تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کے
استعمال سے مسلمانوں کا جانی نقصان

معتزین کہتے ہیں کہ کفار کے علاقوں میں عموماً مسلمان بھی پائے جاتے ہیں، خواہ وہ تاجر ہوں
یا سیاح، مقیم ہوں یا مسافر، یا کسی اور وجہ سے وہاں موجود ہوں..... اور عام تباہی پھیلانے والے
ہتھیاروں کے استعمال سے وہ بھی لالچالہ مارے جائیں گے، جبکہ اس بات پر تو امت کا اجماع ہے
کہ مسلمان کا خون بہانا حرام ہے۔ نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے:

وَلَوْلَا رِجَالُ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءُ مُؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَنْ تَطَؤُوهُمْ فَتُصَيِّبُكُمْ
مِنْهُمْ مَعْرَةً بَغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ
كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (الفتح: ۲۵)

”اور اگر ایسے بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ تم بے خبری میں انہیں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر حرف آئے گا، تو جنگ نہ روکی جاتی، (لیکن وہ روک دی گئی) تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے۔ اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں سے جو کافر تھے، ہم ان کو دردناک سزا دیتے۔“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو (فتح کے موقع پر) مکہ میں قتال نہیں کرنے دیا، کیونکہ وہاں موجود مسلمان کافروں میں گھلے ملے ہوئے تھے اور قتال کی صورت میں مسلمانوں کے بھی مارے جانے کا خوف تھا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب تین مختلف پہلوؤں سے دیا جاسکتا ہے:

اولاً..... امام اوزاعیؒ وغیرہ نے مذکورہ بالا آیت کو دلیل بناتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں اور کفار پر حملے کی صورت میں ان کے مارے جانے کا خوف ہو تو حملے سے رک جانا چاہیئے۔ واضح رہے کہ آپؐ کا یہ استدلال اقدامی جہاد کے حوالے سے ہے۔

اس آیت مبارکہ کے الفاظ ہی سے یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں ایسے کسی حملے کے حرام ہونے کی دلیل نہیں پائی جاتی، لہذا بہت سے علماء نے امام اوزاعیؒ کے اس استدلال کی تردید کی ہے۔ امام ابو یوسفؒ الرد علی سیر الأوزاعیؒ میں لکھتے ہیں:

”امام اوزاعیؒ نے اس آیت کو اس کے اصل مقام پر منطبق نہیں کیا۔ اگر مشرکین کے درمیان مسلمان بچوں کی موجودگی کی بناء پر انہیں نشانہ بنانا اور ان سے قتال کرنا حرام مان لیا جائے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ مشرکین کے اپنے عورتوں اور بچوں کی موجودگی میں بھی ان سے قتال کرنا حرام ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کی) عورتیں اور

بچ قتل کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ممانعت فرمانے کے باوجود اہل طائف، اہل خیبر، بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور ہمارے علم کے مطابق مسلمانوں نے ان کے خلاف ہر وہ حربہ استعمال کیا جو ان کے بس میں تھا۔ نیز یہ بات بھی ہم تک پہنچی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف کے خلاف مخفیقت استعمال کی۔

پس اگر مسلمانوں پر یہ بات واجب ہوتی کہ، مشرکین کے درمیان بچوں کی موجودگی کی صورت میں، وہ حملے سے رک جائیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیتے کہ ”جب تک وہ تم سے نہ لڑیں تم بھی ان سے نہ لڑو“، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ ان کے شہروں اور قلعوں میں بچے، عورتیں، عمر رسیدہ بوڑھے، کم عمر اور قیدی وغیرہ موجود نہ ہوں۔ مگر طائف اور دیگر مقامات پر جو کچھ ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظ و مشہور سنتوں میں سے ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مسلمان، یعنی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین، دوسری اقوام کے قلعوں پر حملوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرتے رہے۔ ہم تک ایسی کوئی بات نہیں پہنچی کہ ان حضرات میں سے کوئی بھی مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کے قلعوں پر گولہ باری کرنے یا ان کے خلاف کوئی اور حربہ استعمال کرنے سے اس بنا پر رکا ہو کہ وہاں عورتیں اور بچے یا کوئی ایسا فرد موجود ہے جس کا قتل حلال نہیں۔“ (الرد علی سیر الأوزاعی: ص ۶۶ وما بعدها)

امام شافعیؒ، کتاب الاثم، میں امام اوزاعیؒ کا قول نقل کرنے کے بعد امام ابو یوسفؒ کا مذکورہ بالا قول نقل کرتے ہیں اور پھر لکھتے ہیں:

”امام اوزاعیؒ نے جو تاویل کی ہے اس تاویل کی گنجائش موجود ہے، مگر اس کا امکان بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وجہ سے مکہ والوں سے قتال نہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی جانتے تھے کہ ان کا ایک گروہ برضا و رغبت ایمان لے آئے گا۔ البتہ

جب اہل قلعہ سے لڑائی کرنا ضروری نہ ہو تو ہم امام اوزاعیؒ کی رائے ہی کو ترجیح دیں گے۔ اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں تو ان پر حملہ نہ کرنا مسلمانوں کو مار ڈالنے کے گناہ کی نسبت زیادہ بہتر اور محفوظ راستہ ہے۔ لیکن اگر ہم اس حد تک مجبور ہو جائیں کہ ان سے جنگ نہ کرنے کی صورت میں ہمیں اپنی جانوں کا خوف ہو تو ہم ان سے قتال کریں گے، البتہ کسی مسلمان کو قصداً قتل نہیں کریں گے، پھر اگر وہ اتفاقاً ہمارے ہاتھوں مارے جائیں تو ہم کفارہ ادا کریں گے (۱)۔ لہذا جب تک ایسی ضرورت نہ ہو، ان سے قتال نہ کرنا زیادہ محفوظ اور میرے نزدیک پسندیدہ رائے ہے۔“ (الأم: ۳۴۹/۷)

امام ابو بکر جصاصؒ فرماتے ہیں:

”جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ارشاد: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ... الخ کو اس بات کی دلیل بنانے کا تعلق ہے کہ جب کفار کے درمیان مسلمان پائے جاتے ہوں تو ان پر حملہ کرنا درست نہیں، تو یہ آیت ایسی کسی بات پر دلالت نہیں کرتی۔ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مشرکین (مکہ) کے درمیان مسلمان بھی پائے جاتے تھے اور اگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تلوار کے زور پہ داخل ہوتے تو اس بات کا خدشہ تھا کہ وہ مسلمان بھی ان کے ہاتھوں مارے جاتے، لہذا اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کو ان پر حملہ نہیں کرنے دیا۔ یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر مشرکین کے درمیان مسلمان بھی موجود ہوں تو ان کو نشانہ بنانے اور حملہ کرنے سے رکتنا مباح ہے۔ یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی جاتی جس سے ایسی صورت میں حملہ

(۱) ایسی صورت میں کفارہ دینے کا مسئلہ اختلافی ہے۔ اس بارے میں تین آراء پائی جاتی ہیں:

اول: دیت اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔ مالکیہ اور شافعیہ کی مشہور رائے یہی ہے۔

دوم: صرف کفارہ واجب ہے، نہ کہ دیت۔ حنابلہ کی مشہور رائے اور امام شافعیؒ کا قول یہی ہے۔

سوم: کفارہ اور دیت دونوں واجب نہیں: احناف کی مشہور رائے یہی ہے۔

کرنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہو..... کیونکہ یہ بات تو درست ہے کہ مسلمانوں کو بچانے کی خاطر مشرکین پر حملے سے رکنا مباح قرار دیا جائے۔ اسی طرح یہ بات بھی معقول ہے کہ مسلمانوں کے لئے حملہ کرنا بھی مباح ہو اور مسلمان دونوں میں سے جس راہ (میں شرعی مصلحت دیکھیں اسے) اختیار کر لیں۔ بہر حال اس آیت میں ایسی کوئی دلیل نہیں موجود جس سے (ایسی صورت میں) مشرکین پر حملہ ممنوع قرار پائے۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ: ’اس آیت کا سیاق و سباق ممانعت پر دلالت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ

.....لَمْ نَعْلَمْوهُمْ اَنْ تَطْنُوهُمْ فَتَصِيْبُكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةٌ بَغِيْرَ عِلْمٍ (الفتح: ۲۵)

’.....جنہیں تم نہیں جانتے انہیں تم بے خبری میں پامال کر دو گے اور اس سے تم پر معرّہ آئے گا۔‘

پس اگر یہ ممانعت نہ ہوتی تو مسلمانوں کو ان کے قتل پر کسی ”معرّہ“ کا سامنا نہ کرنا پڑتا..... تو یہ اعتراض کرنے والے کو کہا جائے گا کہ مفسرین اس آیت میں وارد ہونے والے لفظ ”معرّہ“ کے معنی پر متفق نہیں۔ ابن اسحاقؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ”معرّہ“ سے مراد ہے: ’دیت کی شکل میں جرمانہ‘۔

بعض کے نزدیک اس سے مراد کفارہ ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ دکھ ہے جو اپنے ہاتھوں سے اتفاقاً مسلمان کا قتل واقع ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے، کیونکہ مومن اگر قصداً نہ بھی مارے، تب بھی (اس کے ہاتھوں) کسی مسلمان کا قتل اسے مغموم کر دیتا ہے۔ کچھ اور علماء نے کہا ہے کہ اس سے مراد ہے ’حرف آنا‘۔ اسی طرح بعض علماء کے حوالے سے یہ قول مروی ہے کہ: ’معرّہ کا مطلب ہے گناہ، مگر یہ رائے اس لئے غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ بات واضح کر دی ہے کہ اگر ایسا کوئی قتل واقع ہوتا بھی تو لاعلمی میں ہوتا:

لَمْ نَعْلَمْوهُمْ اَنْ تَطْنُوهُمْ..... بَغِيْرَ عِلْمٍ (الفتح: ۲۵)

”جنہیں تم نہیں جانتے انہیں تم پامال کر دو گے..... بے خبری میں۔“

اور جو کام لاعلمی میں کیا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ (الأحزاب: ۵)

”تم سے بھول چوک میں جو کچھ ہو جائے اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں، البتہ گناہ وہ ہے جس کا تم دل سے ارادہ کرو۔“

لہذا یہاں یہ بات تو واضح ہے کہ ”معرّۃ“ سے ”گناہ“ مراد نہیں ہے۔

اب جبکہ پیچھے دی گئی گفتگو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کفار پر حملہ کرنا جائز ہے، خواہ ہمیں ان کے درمیان مسلمانوں کی موجودگی کا علم ہی کیوں نہ ہو، تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ یہ بات بھی تسلیم کی جائے کہ جب مشرکین مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کریں تب بھی ان پر حملہ کرنا جائز ہے۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں مقصود صرف مشرکین کو مارنا ہی ہے۔ لہذا اگر کوئی مسلمان (جسے ڈھال بنایا گیا ہو) اتفاقاً مارا جائے، تو نہ کوئی دیت ادا کرنا ہوگی نہ ہی کفارہ..... بالکل اسی طرح جیسے کفار کے قلعوں پر گولہ باری کے دوران وہاں موجود مسلمان مارے جانے پر کوئی دیت اور کفارہ واجب نہیں ہوتا۔ نیز (دیت اور کفارہ واجب نہ ہونے کی) ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر ہمیں کسی خاص سمت میں کفار کے درمیان مسلمانوں کی موجودگی کا علم ہو تب بھی ان پر حملہ کرنا ہمارے لئے مباح قرار دیا گیا ہے۔ گویا (ایسی حالت میں) یہ مسلمان اپنے شرعی حکم کے اعتبار سے ان لوگوں کی طرح ہو جاتے ہیں جن کا قتل مباح ہے، لہذا انہیں قتل کرنے سے کوئی دیت یا کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

نیز (یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ) آیت میں مذکور لفظ ”معرّۃ“ سے نہ تو دیت مراد ہے نہ ہی کفارہ، کیونکہ نہ تو یہ لفظ خود ان معنوں پر دلالت کرتا ہے، نہ ہی کوئی اور دلیل اسے یہ معنی عطا کرتی ہے۔

اس سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ آیت میں وارد ہونے والے اس لفظ سے مراد کسی مسلمان کے دل میں اس کے ہاتھوں ایک اہل ایمان کے اتفاقی قتل سے پیدا ہونے والے غم اور گھٹن کے جذبات ہیں۔ اسی طرح معرّۃ کو حرف آنے کے معنی میں لینے کی گنجائش بھی موجود ہے کیونکہ عموماً کسی شخص کے ہاتھوں قتلِ خطا بھی ہو جائے تو اسے طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔“ (أحكام القرآن: ۵۸۹/۳)

ثانیاً..... اگر ہم اس اعتراض کو مطلقاً درست مان لیں تو ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوگا کہ ہم جہاد کو سرے سے ہی معطل کر دیں، کیونکہ کفار کا کوئی علاقہ ایسا نہیں جہاں مسلمان نہ پائے جاتے ہوں۔ ہمیں جہاد کرنے کا حکم دیا جا چکا ہے، اس کی فرضیت ثابت کرنے کے لئے قطعی دلائل ہمارے پاس موجود ہیں اور مسلمان متواتر ہر دور میں یہ فریضہ ادا کرتے رہے ہیں، لہذا ہمیں جہاد تو بہر حال کرنا ہے۔ اب چونکہ دورانِ جہاد کفار کو نشانہ بناتے بناتے کچھ مسلمانوں کا بھی ساتھ ہی مارے جانا ناگزیر ہے، چنانچہ ایسا کرنا جائز ہے اور محض کچھ مسلمانوں کی جان جانے کے خوف سے جہاد روکا نہیں جائے گا۔

امام محمد بن حسن الشیبانیؒ فرماتے ہیں:

”دشمنوں کے درمیان مسلمان بچوں یا بڑوں، عورتوں یا مردوں کا بطور قیدی یا مستأمن کے پایا جانا بھی ایسے اقدامات کرنے میں مانع نہ ہوگا..... چاہے ان کا وہاں موجود ہونا ہمارے علم میں ہی کیوں نہ ہو..... کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم بھی پورا کیا جائے اور ان کے درمیان موجود مسلمانوں پر آنچ بھی نہ آئے۔ لہذا جس چیز سے بچنا ہماری استطاعت سے باہر ہو، اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔“ (شرح السیر الکبیر: ۱۲۶۷/۴)

عبادی حنفیؒ فرماتے ہیں:

”مصنف کے قول کہ [اگر کفار کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں] سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر،

پتھر یا مینق کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ’ضرر عام‘ دور ہوگا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیت مجموعی تحفظ یقینی بنے گا، جبکہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا ’ضرر خاص‘ ہے۔“ (الجوهرة النيرة: ۲/۲۵۸)

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

”[اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں]، ایک یا ایک سے زیادہ، [خواہ وہ قیدی ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے]، یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعے سے قتل کرنا جس سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شیخون مارنا، خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم ہو کہ اس سے مسلمان بھی ضمنًا مارا جائے گا۔ البتہ جہاں تک ممکن ہو کفار کو مارتے ہوئے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ [اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا موقف یہی ہے] تاکہ کفار کسی مسلمان کو اپنے قبضے میں لے کر جہاد معطل نہ کر سکیں۔“ (تحفة المحتاج: ۹/۲۳۲)

ثالثاً..... اگر ہم اس اعتراض کو ایک لمحے کے لئے درست مان بھی لیں تو بھی اس کا دائرہ کار محض اقدامی جہاد تک ہی محدود ہوگا۔ دفاعی جہاد میں، جب کفار کو کچھاڑنے کا اور کوئی ذریعہ نہ ہو، تو عام تباہی پھیلانے والے ذرائع استعمال کرنے کا جواز ہر شک سے بالاتر ہے۔ کم از کم اس رائے پر تو تمام علماء کو متفق ہونا چاہیے۔ ہم اس سے پہلے امام شافعیؒ کا یہ قول دیکھ چکے ہیں:

”..... لیکن اگر ہم اتنے مجبور ہو جائیں کہ کفار کے خلاف جنگ روکنے کی صورت میں ہمیں اپنی جانوں کا خوف ہو، تو ہم ان (کے درمیان مسلمانوں کی موجودگی کے باوجود) ان سے لڑیں گے۔ البتہ جان بوجھ کر کسی مسلمان کو نشانہ نہیں بنائیں گے۔“

یہ مسئلہ یعنی مسلمانوں کو ڈھال بنانے کے مسئلے کی مانند ہے۔ اس بات پر تو تمام علماء ہی متفق ہیں کہ اگر کفار مسلمانوں کو بطور ڈھال استعمال کر رہے ہوں، اور مسلمانوں کے پاس حملے کے سوا کوئی چارہ نہ ہو، تو حملہ کیا جائے گا خواہ نتیجتاً مسلمان بھی مارے جائیں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

”وقد اتفق العلماء على أن جيش الكفار إذا تترسوا بمن عندهم من المسلمين وخيف على المسلمين الضرر إذا لم يقاتلوا فإنهم يقاتلون و إن أفضى ذلك إلى قتل المسلمين الذين تترسوا بهم“۔ اھ۔

”اس بات پر تمام علماء متفق ہیں کہ اگر کفار کچھ مسلمان قیدیوں کو بطور ڈھال استعمال کریں، اور کفار سے لڑائی نہ کرنے کی صورت میں باقی مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، تو ان کے خلاف لڑا جائے گا خواہ نتیجتاً ڈھال کے طور پر استعمال کئے جانے والے مسلمان مارے ہی کیوں نہ جائیں۔“ (الفتاویٰ: ۵۴۶/۲۸)

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو ہم سب کیلئے باعث نفع بنائے، اور میرے اس کام کو **لَوْجِہِ اللہ** خالص کر لے۔ آمین!

وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔